

ایسا شخص عند اللہ مؤمن نہ ہوگا؛ اور جو شخص دل سے تو مؤمن ہے

لیکن زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤمن ہے مگر دنیا میں اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ اور جو شخص اپنی زبان سے ایمان کا اقرار کرتا اور دل سے اسکی تصدیق کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک بھی ایمان والا شمار کیا جائے گا؛

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۳) امام ابو مقاتل:-

جیسے اپنے ارشاد فرمایا بات واقعی اسی طرح ہے؛

درست اور غلط کار کے اعمال سے آگاہ ہونا

مگر یہ فرمائیے اگر میں خطا کار اور درست کار کے درست اور غلط عمل سے قطع نظر کر لوں کہ جو چاہیں کرتے پھریں میں ان کی پرواہ نہ کروں؛ تو کیا میں ایسی صورت میں غلطی کرنے والا ہوں؟ اور کیا اسکا مجھے نقصان ہوگا؟

امام ابو حنیفہ:-

صرف ایک صورت تو ایسی ہے کہ تمہیں اس کا کوئی نقصان نہیں؛ مگر اسکی بجائے کئی صورتیں ایسی بھی ہیں جن سے تمہیں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا؛

تفصیل اس اختصار کی یہ ہے کہ: تمہیں اس لحاظ سے تو کوئی نقصان نہ ہوگا کہ تم سے صرف تمہارے اپنے اعمال کا حساب لیا جائے گا، اور کسی خطا کار کی خطا کاری کے بارے میں تمہارے سے نہ پوچھا جائے گا؛ لیکن وہ باتیں جو نقصان دہ اور ضرر رساں ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں،

- (۱) پہلی بات یہ ہے کہ: تم جاہل کہلاؤ گے کیونکہ تم درست و نادرست کی خبر نہیں رکھتے ہو؛
- (۲) دوسری بات یہ ہے کہ: اگر تمہیں کسی معاملہ میں شبہ ہو تو اوروں کی طرح تم بھی محض شبہ میں پھنسے رہو گیا اور اس سے نکلنے کا راستہ نہ پاسکو گے؛ کیونکہ تمہیں یہ ہی نہیں معلوم کہ تم غلط کار ہو کہ یا عاقبت اندیش اور اس طرح تم کبھی اس شبہ اور سے باہر نہ نکل سکو گے؛
- (۳) تیسری بات یہ ہے کہ: خالص اللہ کے لئے کون محبت کرتا ہے اور اور کون اسی کے لئے ناراض ہوتا ہے جبکہ یہ ایمان کی بنیاد بات ہے اور تم کبھی

﴿الْحَبِّ فِي اللَّهِ وَ الْبُغْضِ فِي اللَّهِ﴾

(خالص اللہ تعالیٰ کیلئے محبت اور اسی کے لئے ہر ایک سے ناراض ہونا) کا بلند مقام حاصل نہیں کر سکو گے؛ اور تم جانتے ہی نہیں ہو گے کہ کون راہ حق پر ہے اور کون اس سے منحرف ہو رہا ہے؛ (حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَ ابْغَضَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ﴾

یعنی جس شخص نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے نفرت کی اس کا ایمان کامل ہو گیا؛

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۴) امام ابو مقاتل:-

آپ نے تو واقعی میری آنکھوں کو نور عطا کیا ہے، اور میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے؛ آپ سے باتیں کرنے کے بعد میں کھلی

آنکھوں سے خیر و برکت محسوس کر رہا ہوں،

نیک سیرت ہو کر دوسرے کی بدی کو بدی نہ جاننا

لیکن آپ اس بارے میں کچھ وضاحت فرمائیے کہ: ایک آدمی خود عادل ہے

اور تمام اچھی صفات سے موصوف ہے مگر اپنے مخالف کے بارے میں بالکل بے خبر ہے؛ نہ یہ جانتا ہے کہ وہ عادل ہے، نہ یہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے، یعنی اس کے متعلق کچھ رائے نہیں رکھتا؛ کیا ایسے شخص کو حقیقت آگاہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا شمار اہل حق میں سے ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ:

جو شخص عادل اور اچھی صفات سے متصف ہے اور اپنے مخالف کے ظلم و ستم سے بالکل لاتعلق ہے، اس کو نہ عدل کا علم ہے اور نہ ہی ظلم کا علم ہے؛ میرے بھائی یہ بات یاد رکھو! کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ جاہل اور بیکار اسی قسم کے لوگ ہیں؛ اسکی مثال یوں سمجھو کہ چار آدمی ہیں ان میں سے ہر ایک کے سامنے ایک سفید کپڑا پیش کیا جائے اور سب سے پوچھا جائے؛ کہ اس کپڑے کا رنگ کیا ہے؟ تو ان میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ سرخ ہے ان میں سے دوسرا کہتا ہے کہ: یہ زرد رنگ کا ہے تیسرے صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ سیاہ رنگ کا ہے؛ چوتھا بولا یہ سفید رنگ کا ہے۔ اب اسی چھوٹے صاحب سے پوچھا جائے کہ ان تینوں اشخاص کے بارے میں آپکی رائے کیا ہے؟ کیا یہ لوگ بالکل صحیح کہتے ہیں یا غلط؟ اب یہ شخص جوابا کہے کہ مجھے تو کپڑے کے سفید ہونے کا یقین ہے مگر ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ بھی بالکل صحیح کہتے ہوں؛ تو تم اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے کہ یہ سیاہ و سفید میں سے کچھ نہیں جانتا؛ اسی طرح وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زنا کرنے والا کافر نہیں ہو سکتا اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ بھی بالکل صحیح کہتے ہوں جو کہتے ہیں کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کے قلب سے ایمان اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح بدن سے کپڑا اتر جاتا ہے یہ لوگ اپنے فیصلہ میں اس سفید رنگ والے سے کسی طرح کم نہیں ہیں؛ اسی طرح ایک طرف تو کہتے ہیں کہ جس کو حج کرنے کی استطاعت تھی مگر عمر بھر نہیں کیا اور اسی حالت میں وفات ہو گئی تو اس کو ہم مؤمن ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ تمام معاملات وہی کریں گے جو مؤمن کے ساتھ کرتے ہیں؛ گویا ان کے نزدیک وہ شخص پورا پورا مؤمن ہے اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے اس کے لئے مرنے کے بعد توبہ استغفار کریں گے اور اس کے عیوب چھپائیں گے اور اگر ممکن ہو سکا اسکی طرف سے حج بدل بھی کریں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان کی تکذیب بھی نہیں کرتے یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یہودی یا نصرانی کی طرح بد دین ہو کر مرا ہے؛

ان کے حال پر تعجب

ان لوگوں کا عجیب حال ہے یہ کھلے بندوں شیعہ نہیں مگر شیعوں جیسی باتیں کرتے ہیں؛ یہ لوگ خوراج سے برأت کرتے ہیں مگر ان کی ہمنوائی بھی کرتے ہیں؛ یہ لوگ مرجیہ کو برا بھلا تو کہتے ہیں مگر انکی زبانیں انہی کی ہم کلام ہیں؛ ان تینوں جماعتوں کی باتیں کرتے ہیں اور اسی طرح ایک ہی وقت میں اس کو درست بھی جانتے اور انکی تغلیط بھی کرتے ہیں؛ اسی طرح انکا احقاق و ابطال، اقرار و انکار سب کچھ کرتے ہیں مگر کہنے کچھ بھی نہیں کرتے؛ اور اس قسم کے لوگ اپنے دعاوی کے ثبوت اور احقاق کے لیے چند روایات بھی بیان کرتے ہیں اور گمان

یہ کرتے ہیں کہ جو ہمارے عقائد وہ نبی ﷺ سے مروی ہیں؛ جبکہ ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے آں حضور ﷺ کو اس لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا کہ فرقہ بندی کی بجائے امت کی شیرازہ بندی کی جاتی اور محبت والفت پیدا کی جاتی؛ آپ ﷺ کی بعثت اس لئے نہ تھی کہ امت میں باہمی افتراق اور ریشہ دوانیوں پیدا کی جاتی؛

اور دوسری طرف یہ لوگ خود کہتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان سارا اختلاف ان روایات کے باعث ہوا ہے کیونکہ ان میں سے کوئی نسخہ ہے اور

کوئی منسوخ ہے؛ اور ہم نے تو جیسے سنا ہے آگے بیان کر دیا ہے اس سے زیادہ ہمارا کوئی ذمہ نہیں ہے؛ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لوگ اپنی عاقبت اور انجام سے کس قدر غافل ہیں؛ بعض روایت یا روایت کا کوئی نہ کوئی حصہ منسوخ ضرور ہے مگر اس کو بیان کیے جاتے ہیں اور آج جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے اس وقت منسوخ روایات اور احادیث پر عمل صاف گمراہی ہے؛ اور لوگ ان روایات کو اپنے عمل میں لا کر گمراہ ہوتے ہیں؛

ہمیں یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی آیت کی تفسیر دو طرح نہیں فرمائی اور اگر قرآن کریم میں کوئی آیت ناسخ ہے تو آپ ﷺ نے سب کے لیے ناسخ قرار دے دی اسی طرح منسوخ کو عام لوگوں کے سامنے ہے اور سب کے لیے منسوخ بیان فرما دیا ہے؛ اخبار اور صفات اللہ میں منسوخ والی کوئی بات

نہیں ہے البتہ ناسخ و منسوخ تو احکام شرعیہ میں خاص ہے اور امر و نہی میں نسخ کا امکان و احتمال ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۵) امام ابو مقاتل:-

اللہ تعالیٰ آپ کو میری طرف سے جنت کی جزاء دے، آپ تو بہت ہی شفیق اور مہربان استاذ ہیں آپ نے تو مجھ میں علم کی وہ راہیں کشادہ کی ہیں کہ جن سے میں نا آشنا رہتا، ان لوگوں کی برسر و پابا تیں آپ نے مجھے خوب سمجھا دیں اب مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر ان لوگوں کی غلط بینی و کوتاہ نظری کے بارے میں کچھ بھی

معلوم نہ ہو تو یہی کافی ہے جو میں سے سن چکا ہوں؛

وحدت ادیان کی حقیقت

اب کچھ دوسرے گروہ کے بارے میں میری رہنمائی فرمائیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے دین بہت ہیں (ان دین اللہ کثیر) اور اور تمام دینوں میں فرض کی گئی عبادات پر عمل عمل کرنا لازم ہے اور حرام کی گئی باتوں سے منع ہونا لازم ہے؛ ان کو کیا جواب دیا جائے اور انکار د کیسے کیا جائے؟

امام ابو حنیفہ:

کیا تم جانتے ہو کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مختلف ادیان پر نہ تھے اور ان میں سے کسی نے بھی اپنے سے پہلے رسول کے دین کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے ان سب کا دین ایک ہی تھا؛ ہاں البتہ ہر رسول اپنی شریعت کی دعوت دیتا ہے اور ماقبل کی نازل اور رائج شدہ شریعت کے چھوڑنے کا حکم کرتا ہے کیونکہ انبیاء علیہ السلام کی طرح انکی شریعتیں مختلف اور متعدد تھیں؛ جیسے ارشاد اللہ تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَ مِنْهَا جَاءَ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً﴾ (المائدة ۴۸)

تم سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی؛ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو تم سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتے؛ اور تمام

انبیاء علیہ السلام کو اقامت دین کے لیے حکم فرمایا خود دین کیا ہے؟ وہ نام ہے دعوت تو حید کا کہ اس بارے میں آپس میں مختلف و منتشر نہ ہوں، یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تمام انبیاء کا دین (دعوت تو حید) ایک ہی تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں:-

(۱)

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ؛ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ

أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا﴾ (الشورى: ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا (اور ان سب کی امتوں کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ بازی نہ کرنا؛

(۲)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِي إِلَيْهِ ؛ إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (النساء: ۲۴)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں لہذا میری ہی عبادت کرو؛

(۳)

﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ (الروم: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں تبدیلی نہیں ہوتی یہی سیدھا دین ہے؛ یعنی دین میں تبدیلی ناممکن ہے کیونکہ دین تغیر و تبدل کے لئے نہیں ہوتا؛ ہاں شریعت میں میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اور ہوتا رہتا ہے اسی لیے اکثر و بیشتر ایسی چیزیں ملتی ہیں جو پہلے لوگوں کے لیے حلال تھیں اور دوسرے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیں؛ ایک چیز کا حکم ایک قوم کو دیا گیا اور دوسری قوم کو اس سے منع کر دیا گیا؛ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شریعتیں کثیر بھی ہیں اور مختلف بھی؛

شریعت کی حقیقت

شرائع ہی کا دوسرا نام فرائض بھی ہے، شریعت اور دین کے بارے میں یہ بات خوب سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا اور ان کی منع کردہ اعمال سے رک جانا ہے یہی دین کی حقیقت ہے؛ اور اگر اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل نہ کرنا اور اس کے ممنوعات سے پرہیز نہ کرنا ترک دین ہے؛ اس صورت میں زمرہ کفار میں شامل ہو جائیں گے اور اس صورت میں ان کا آپس میں نکاح کرنا؛ وراثت تقسیم کرنا، میت کے ساتھ نماز جنازہ میں شریک ہونا؛ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان جیسی تمام چیزیں حرام ہو جائیں گی کیونکہ یہ سب معاملات اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کے درمیان اسی ایمان کی وجہ سے جاری ہیں کہ جس

سے ایک دوسرے کے باہمی خون و اموال قابل احترام ہو جاتے ہیں؛ اور یہ صورت اس وقت تک قائم رہتی ہے تا وقتیکہ اس میں احادیث فی الدین یعنی نئی باتیں گھڑ کر دین میں شامل نہ کر دی جائیں؛ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ایمان کے اقرار کے بعد احکام شرعیہ کا اور فرائض کا مکلف ٹھہرایا ہے؛

چنانچہ ارشاد اللہ تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (ابراہیم: ۳۲)

جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی کیا کریں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں؛ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ (البقرة: ۱۷۸)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تم پر قصاص فرض کیا ہے مزید ارشاد اللہ تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ﴾ (الاحزاب: ۴۲)

یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے انعام اپنے اوپر یاد کیا کرو؛ اسی طرح کی اور بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں؛

ایمان اور عمل کا آپس میں تعلق

اگر فرائض کا دوسرا نام ایمان ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک مؤمن کو مؤمن نہ فرماتے جب تک وہ فرائض پر عمل پیرا نہ ہو چکا ہوتا لہذا ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ایمان کو عمل سے الگ کر کے بیان فرمایا ہے؛ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (الرعد: ۳۲)

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے؛ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ (البقرة: ۱۱۲)

جو کوئی بھی اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے؛ یعنی وہ اپنے ایمان کو احسان کی صفت کے ساتھ مزین کرے اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پورا اجر دیا جائے گا؛ اور دوسری جگہ ارشاد اللہ تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ (الاسراء: ۲۰)

اور جو شخص آخرت (میں اللہ تعالیٰ سے ثواب) کی امید رکھے گا اور اس کے لئے جتنی سعی کرنا چاہیے ویسی سعی بھی کرے گا اور وہ شخص مؤمن بھی ہو؛ اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا؛ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و عمل کو الگ الگ کر دیا ہے

اہل ایمان، نماز روزہ حج اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ایمان باللہ کی وجہ انجام دیتے ہیں نہ کہ انکی نماز، روزہ، حج ان کے لئے ایمان کا باعث ہے خلاصہ یہ ہے کہ ایمان باعث عمل ہے نہ کہ عمل باعث ایمان ہے؛ یعنی پہلے ایمان ہے اور بعد میں عمل وجود میں آتا ہے؛ یہ لوگ پہلے ایمان لائے پھر تقاضائے ایمان کے مطابق عمل کیا۔ ان کا فرائض پر عمل ایمان باللہ کے باعث ہے اعمال کے باعث ایمان نہیں ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص قرضدار ہے اور اسے اپنے قرضدار ہونے کا اعتراف بھی ہے اور اس اقرار کے بعد اگر وہ اپنا قرض ادا کر دیتا ہے تو قرض کی ادائیگی کا اعتبار ہوگا؛ اسکے برعکس یہ صورت نہیں ہو سکتی کہ اول قرض ادا کرے اور بعد میں اقرار کرے کہ میرے ذمہ قرض ہے؛ یعنی ادائیگی قرض اقرار کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ اقرار پہلے اور ادائیگی قرض بعد میں ہو، اسی طرح غلاموں کو دیکھئے کہ غلام بندگی کے اقرار کی وجہ سے آقا کی خدمت بجاتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ چند روز خدمت کرنے پر ان کا اقرار غلامی سمجھا جائے؛ اس لئے کہ پہلے اقرار اور اعتراف ہوتا ہے اور بعد میں عمل کیا جاتا ہے، اسی طرح بہت سے آدمی آخرت میں کامیاب ہونے کی غرض سے اعمال صالحہ بجاتے ہیں مگر اس اعمال کی بجا آوری سے ان کو اقرار عبودیت نہیں کہہ سکتے؛ جبکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ انکے ہاں اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار تو موجود ہے مگر اعمال صالحہ انکے پاس نام کو بھی نہیں ہوتے مگر ان کا اقرار عبودیت پھر بھی ہوتا ہے؛



(۶) امام ابو مقاتل :

اس حسن بیان پر اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے میرے لئے بہترین وضاحت ارشاد فرمائی ہے،

ایمان کی حقیقت اور اس کے مراتب

کیا اب میں ایمان کی حقیقت پوچھنے کی جرات کر سکتا ہوں؟

امام ابو حنیفہ:

ایمان نام ہے تصدیق بالقلب، معرفت، یقین، اقرار اور اسلام کے مجموعہ کا ہے؛ اور مرتبہ تصدیق میں سب لوگ برابر نہیں بلکہ اس میں تین مرتبے پائے جاتے ہیں،

(۱) کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور ان کی طرف سے آئے احکامات امر و نہی کی تصدیق دل اور زبان دونوں سے کرتے ہیں؛

(۲) کچھ لوگ ایسے ہیں ان کے پاس زبان سے تصدیق تو پائی جاتی ہے مگر ان کا دل ہمیشہ درپے تکذیب ہی رہتا ہے

(۳) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا دل ایمان کی دولت سے لبریز ہوتا ہے مگر زبان سے تصدیق نہیں ہوتی بلکہ تکذیب ہوتی ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۷) امام ابو مقاتل:

آپ کی نوازش و عنایت سے میرے لئے علم کی ایک نئی شاہراہ نظر آئی ہے جو اس سے قبل میرے سامنے عیاں نہیں تھی؛

تینوں مراتب کا حکم

آپ مجھے یہ بات بتائیں کہ کیا یہ تینوں قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤمنین میں شمار ہوں گے؟

امام ابو حنیفہ:

(۱) جو شخص اپنے دل اور زبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے دین کی تصدیق کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور

اجتماع انسانی میں دونوں جگہ مؤمن شمار ہوگا؛

(۲) جو زبان سے اظہار تصدیق کرتا ہے حالانکہ دل تصدیق کرنے میں اس کے ساتھ نہیں بلکہ جھٹلاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر جبکہ ہم اور

تم اس کو مؤمن ہی سمجھیں گے کیونکہ ہم لوگ اس کے دل میں چھپی بات نہیں جان سکتے ہم پر تو صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ اس اقرار اور تصدیق

کی وجہ سے اس کو مؤمن کہیں۔ قلب چیر کر دیکھنے کے اور پھر اس کے بعد فیصلہ کرنے کے ہم

مکلف نہیں ہیں؛

(۳) تیسری قسم وہ شخص ہے جو کسی وجہ سے لوگوں کے سامنے اظہار کفر کرتا ہے مگر اس کا دل اللہ تعالیٰ کے لئے مؤمن ہوتا ہے؛ اور یہ وہ شخص ہے جو

جو بالعموم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی طرف سے نازل شدہ احکامات پر ایمان رکھتا ہے مگر مجبوری کے عالم میں باطنی بات کو چھپاتے ہوئے زبان سے کلمہ

کفر ظاہر کرتا ہے؛ اب جو شخص خلاف باطن بات کرے ظاہری طور سے اس کو کافر کہا جائے گا جبکہ اپنی اصل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ

مؤمن ہے؛



(۸) امام ابو مقاتل :

میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے وضاحت کے ساتھ ایمان کے حقائق کو مجھ پر مطلع کیا کیلین ایمان کی تعریف میں آپ نے تصدیق۔ معرفت، اقرار اور اسلام اور یقین کا نام لیا ہے اسکی وضاحت چاہوں گا۔

امام ابو حنیفہ:-

اللہ تعالیٰ تمھاری اصلاح کرے، لغزشات سے محفوظ رکھے، مسائل دریافت کرتے ہوئے جلد بازی نہ کرو۔ میں نے جو باتیں ابھی تم کو بتائیں ہیں اگر ارادہ خبر ہے اور ان میں سے کوئی بات سمجھ نہیں ہو تو پوچھ لو۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں سن کر لوگوں کو ناگوری ہوتی ہے لیکن جب ان کی وضاحت ہوتی ہے تو وہ انہیں گوارا کر لیتے ہیں۔

ان لوگوں کا رویہ اختیار نہ کرو کہ ایک بات سنتے ہیں وہ ان کو ناگوار ہوتی ہے پھر اسکو لئے لئے پھرتے ہیں، موصد یہ ہوتا ہے کہ کہنے والے کی برائی عام ہو، ان لوگوں سے اتنا نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کے متعلق کہ دیں کہ شاید اسکی کوئی اور بہتر توجیہ و تفسیر ہو اور ہمیں معلوم نہ ہو، خود اسی سے وہ بات پوچھ لیں

جس نے یہ بات کہی ہو۔ اسکی مراد کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ بے ارادہ یہ بات نکل گئی ہو اور اسکا قصد ایسا نہ ہو۔ ہمیں جب تک پوری بات معلوم نہ ہو خاموش رہیں کسی کو بلا وجہ رسوا نہ کریں۔



(۹) امام ابو مقاتل :-

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق خیر اور ثبات قدمی سے نوازیں آپ کو جو صلاحیتیں عطا ہوئیں ہیں باقی رہیں۔ جو کچھ ارشاد فرمایا سمجھ میں آ گیا۔ ایک طالب علم ناوقف آداب سمجھ کر معاف فرما دیں۔ ہاں مجھے تصدیق، معرفت، اقرار، اسلام یقین کے مراتب اور آپ کے نزدیک جو تفسیر ہو اس سے آگاہ فرمائیں۔

امام ابو حنیفہ:-

گویہ کلمات مختلف ہیں مگر ان کے معنی ایک ہیں یعنی ایمان باللہ اسکی صورت یوں ہے کہ انسان اقرار کرے کہ اللہ اسکا رب ہے تصدی قمرے کہ اللہ اسکا رب ہے۔ یقین رکھے کہ اللہ ہی اسکا رب ہے اور سمجھے کہ اللہ ہی اسکا رب ہے۔ یہ مختلف الفاظ ہیں لیکن مفہوم صرف ایک ہے جس طرح کسی شخص کو یوں پکارا جائے۔ اے آدمی۔ اے فلاں۔ پکارے والا ایک ہی کو پکار رہا ہے مگر الفاظ بدل کر۔



(۱۰) امام ابو مقاتل :-

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ اگر مجھے اپنی کم علمی کا احساس نہ ہوتا تو یہاں حضری کیسے ہوتی اگر میری کوئی بات آپ کو ناگور ہوئی ہو تو معاف فرما دیں۔ بیمار کی بیماری کی ذمہ داری اور مشقت طبیب اٹھاتا ہے اور اگر کوئی نابینا ہو تو بینا کو نابینا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک عالم کو جاہل کے

باعث ہر پریشانی کو گورا کرنا ہوتا ہے۔

مجھے آپ کے ارشاد سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک جاہل شخص جب بھی کوئی بات سنتا ہے تا اسے گھراہٹ معلوم ہوتی ہے جب اسے تفسیر معلوم ہوتی ہے تو اطمینان کلی ہو جاتا ہے۔

ایمان و تصدیق، یقین و اخلاص کی جو تفسیر آپ نے بیان فرمائی بالکل سبھی میں آگئی اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک بات پوچھوں کہ کیا ہمارے لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ ہمارے ایمان ملائکہ اور انبیاء و رسل جیسا ایمان ہے ملائکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم نے یا وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

امام ابو حنیفہ:-

تم جانتے ہو کہ وہ ہم سے زیادہ مطیع و فرمانبردار ہیں اور میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ ایمان اور عمل دو اگل الگ چیزیں ہیں۔ ہمارا ایمان انہیں جیسا ایمان ہے کیونکہ ہم نے واحدانیت رب کی تصدیق کی ہے۔ اسکی قدرت کرتے ہیں اور انہیں چیزوں کی انبیاء و رسل نے بھی تصدیق کی ہے یہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارا اور ان کا ایمان ایک جیسا ہے۔

(عاجز نے امام صاحب کی عبارت سے ایک مفہوم یہ بھی لیا ہے کہ ہمارا ایمان ملائکہ کے ایمن سے افضل ہے کیونکہ ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے عجائب و غریب دیکھنے اور جنت و دوزخ کی سیر کرنے کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں رہ کر تصدیق ایمان کی ہے اور ہم نے بغیر دیکھے ہوئے اسکی ربوبیت کی تصدیق کی ہے اس لئے ہم ایمان کے لحاظ سے افضل ہیں)

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ہمارا اور ملائکہ کا ایمان اور اس کی حقیقت کیفہ﴾

(۱۱) امام ابو مقاتل:

اللہ تعالیٰ آپ کو بلند مرتبہ عطا فرمائے۔

آپکی وضاحت سے ایمان کی حقیقت پر آگاہ ہو گیا ہوں کہ ہمارا ایمان، یقین، معرفت ملائکہ کے ایمان یقین اور معرفت جیسی ہے لیکن ایک بات وضاحت طلب ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے ہم سے زیادہ مطیع اور خائف کیوں ہیں؟

اور بعض جہلاء کی یہ بات کہ جب کوئی انسان اپنی لغزشوں پر مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے یا مصیبت کے وقت جزع و فزع کرنے لگتا ہے یا دشمن کے مقابلہ میں بزدلی اختیار کرتا ہے یا خواہشات نفسانی میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ ایمان کی کمزوری اور ضعف یقین کی وجہ سے ہوتا ہے؟

امام ابو حنیفہ:

پہلی بات یہ ہے کہ جاہل لوگ ان چیزوں پر ضعف ایمان کا اطلاق یقین کی تفسیر نہ جاننے کی وجہ سے کرتے ہیں

کسی چیز کا یقین اس بات کا نام ہے کہ آپ کو اس چیز کا ایسا یقینی علم ہے کہ اب اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛

اور الحمد للہ اہل ایمان میں ایسا کوئی نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا کتابوں اور انبیاء و رسل کے بارے میں شک ہو، چاہے اس نے جس قسم کے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو، اور ہم نے دوسروں کو بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہیں ہم سے بھی لغزش ہوتی ہے؛ یا مصیبت میں جزع و فزع کرنے لگتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں کانپ جاتے ہیں۔ مصائب کے ہجوم اور ستم کاریوں کے تلاطم میں گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن اس ساری صورت احوال کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اور ملائکہ کے بارے میں ذرا برابر بھی شک و شبہ نہیں ہوتا۔

اور رہی بات کہ وہ ہم سے زیادہ مطیع اور خائف کیس ہیں جبکہ ہمارا یقین اور انکا یقین ایک جیسا ہے؟

تو ہاں انکا اللہ تعالیٰ سے ہمارے سے زیادہ خوف زدہ ہونا اور اس کا مطیع اور فرمانبردار ہونا چند وجوہات کی بنا پر ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت و نبوت کی نعمت عظمیٰ سے ہم پر فضیلت دی ہے اسی طرح اخلاق حسنہ مصائب کی کثرت میں صبر کی فضیلت بخشی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ: انہوں نے ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کی دوسری عجائبات کو دیکھا ہے اور ہم اس دنیا میں ان کے دیکھنے سے محروم ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ: وہ مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ: انسانوں کو جو مصیبتیں سزا کے طور ملتیں ہیں۔ اسے وہ دیکھتے ہیں اسی وجہ سے معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

نے انہیں معصوم بنایا ہے۔ انبیاء و رسل کے علاوہ دنیا میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو معصوم عن الخطا ہو اور اس سے گناہ نہ صادر ہوتے ہوں۔

﴿قیاس کی حقیقت اور اس کی امور شرعیہ میں ضرورت﴾

(۱۲) امام ابو مقاتل:

آپ نے جو فرمایا وہ درست ہے آپ بہت عمدگی سے بیان فرما رہے ہیں لیکن مجھے ان کے خوف اور ہمارے خوف؛ ان کے یقین اور ہمارے یقین اور انکی جرات اور ہماری جرات کے بارے میں مثال سے سمجھائیے۔

کیونکہ اگر کوئی جاہل آدمی کسی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکے تو مناسب یہی ہے کہ اسے مثالوں سے سمجھایا جائے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ سکے۔

امام ابو حنیفہ:

یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم مثال کے ذریعہ بات سمجھنا چاہتے ہو

ہر وہ شخص جو باہمی مذاکرہ و مباحثہ سے کچھ حاصل کرنا چاہے اسکے لیے یہی

ضروری ہے۔ اور بات سمجھنے کے لیے مثال بہت ضروری ہے

قیاس یا مثال ایک طالب حق کے حق کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں کسی مسئلہ میں قیاس کی وہی حیثیت ہے جو ایک حقدار کے لیے شاہد عادل کی ہوتی ہے۔ اگر جاہلوں کو انکار حق کی عادت نہ ہوتی تو علماء کو مثال و قیاس میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

ہاں تو تم اس کے لئے قیاس کی کوئی صورت چاہتے ہو کہ ہمارا اور ملائکہ کا یقین ایک ہوتے ہوئے بھی وہ ہم سے زیادہ کائف اور متواضع کیوں ہیں؟

اسکی مثال یوں سمجھو کہ دو پیراک ہیں پیراکی بالکل برابر جانتے ہیں ان میں سے ایک تلاطم خیز دریا میں چھلانگ لگانے میں بہادر ہے اور دوسرا بزدل ہے۔

یادو آدمی ایک ہی مرض میں مبتلا ہوں طبیب نے پینے کے لیے دونوں کے لیے ایک ہی تلخ دوا تجویز کی ان میں ایک دوا پینے میں ہمت سے کام لیتا ہے اور دوسرا دوا سے جی چرات ہے

قیاس کے لوازمات

امام سرخسی اپنے اصول سرخسی میں فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام اور تابعین اور تمام ائمہ دین کی رائے یہ ہے کہ ایسے احکام جو منصوصات شرعیہ میں سے ہوں ان پر قیاس کرتے ہوئے احکام اخذ کرنا جائز اور امور شرعی میں سے ہے؛ اور اس کی مخالفت میں حرف زنی کرنے والے سب سے پہلے شخص کا نام

ابراہیم بن السیار النظام معتزلی تھا جو قیاس کی وجہ سے اسلاف پر طعن و تشنیع کرنے میں بڑا جری تھا اور اسی وجہ سے اسلام کے دائرہ سے باہر چلا گیا

اصول سرخسی: دوم ۱۱۹

تو اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ائمہ اسلام کے ہاں ہر دور میں قیاس کو ایک اصول شرعی کے طور پر مقام دیا جاتا رہا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا اس امت پر ایک عظیم احسان ہے جس سے دین اسلام میں تحریف نہیں ہو سکی ہے ورنہ ادیان سابقہ میں تحریف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ جدید پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی اصول نہ تھا

اس مسئلہ پر تفصیلی مباحث اصول فقہ کی کتب میں مفصل انداز میں موجود ہیں وہاں ان کا مطالعہ کرنا چاہئے؛

﴿اعمال کا اجر و ثواب اور اس کی حقیقت﴾

(۱۳) امام ابو مقاتل:

آپ کی تفسیر واقعی بہت بہترین ہے

لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اگر ہمارا ایمان انبیاء و رسل کے ایمان کی برابر ہے تو کیا ہمارے ایمان اور ان کے ایمان کا ثواب برابر نہیں؟ اور اگر ایسا ہے تو انہیں ہم پر کس انداز میں فضیلت بخشی گئی ہے؟

جب دنیا میں ایمان برابر ہو جائے تو آخرت میں ثواب یکساں رہنا چاہیے اور اگر ہمارا ثواب کم ہوا تو کیا یہ صریح ظلم نہیں ہے؟ جبکہ ہمارا ایمان تو ان کے ایمان برابر ہو لیکن جب باری ثواب کی آئے تو اس میں فرق ڈال دیا جائے؟

امام ابو حنیفہ:

تمہارا سوال بڑا اہم سوال ہے لیکن جلد بازی میں فتویٰ زنی سے اعراض کرو؛ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہمارا ایمان اور رسل کا ایمان برابر ہے کیونکہ جن چیزوں پر رسول وغیرہ ایمان لائے انہیں پر ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود ان حضرات کو ہم نہ صرف ایمان بلکہ ہر عبادت کے ثواب میں فضیلت اور فوقیت حاصل ہے، غرض ان کے کام کو دوسروں کے کاموں پر فضیلت بخشی گئی ہے کیونکہ جس طرح ان کو منصب نبوت عنایت کیا گیا ہے اس طرح ان کے کلام انکی نمازوں انکی روزوں انکی رہائش اور انکی آرام گاہوں اور تمام امور زندگی میں خاص رحمت ربانی شامل ہو کر فضیلت بخشی گئی ہے اسکے باوجود اگر اللہ تعالیٰ نے ثواب کا استحقاق برابر نہیں دیا تو یہ ہم پر ظلم نہیں ہے کیونکہ ظلم حق تلفی کا نام ہے اور اس میں ہمارا حق نہیں دیا گیا بلکہ ہمیں اتنا دیا گیا کہ ہم خوش ہو گئے ہیں تو یہ ہرگز ظلم نہیں ہے۔

اور باقی رہا معاملہ انبیاء و رسل کا تو انہیں دنیا میں بھی سب پر فضیلت ہے کیونکہ وہ اعمال خیر کا قائد ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے امین ہیں، اور لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو اپنی عبادت، خوف خدا، خشوع و خضوع میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے تکالیف برداشت کرنے میں ان کی برابری کر سکے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد انہی کی وجہ سے ان سب کو ایسا اجر دیا جاتا ہے کہ جو ان سب لوگوں کے دخول جنت کا سبب بن جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿یقینی عذاب اور یقینی بخشش الہی کا معیار﴾

(۱۴) امام ابو مقاتل:

آپ نے مسئلہ عدل و انصاف کے ساتھ واضح کر دیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے بدلہ میں جنت عطا فرمائے اس مسئلہ میں اطمینان ہو گیا ہے لیکن ایک دوسری بات میں آپ سے عرض کروں کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ شرک کے علاوہ کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے یقیناً عذاب الہی کا موجب

ہوگا؟

یا آپ کے خیال میں یہ سب معاف کر دئے جائیں گے اور اگر سب نہیں تو جو بعض اس میں سے بخشے جائیں گے وہ کون سے اعمال ہیں جو بخشے جائیں گے

امام ابو حنیفہ:

گناہوں میں سے شرک کے علاوہ میں کوئی گناہ ایسا نہیں جانتا جس پر اللہ تعالیٰ یقینی طور سے عذاب دیں گے اور نہ ہی میں اس بات کے بارے میں گواہی دے سکتا ہوں کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو شرک کے علاوہ کسی اور گناہ پر یقینی طور سے عذاب دیں گے؛ اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے لیکن انکی تعیین نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم﴾ (النساء: ۳۰)

اگر تم پر ہیز کرو ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم مٹا دیں گے تمہارے چھوٹے گناہ؛ اب میں آپ کو تمام کبائر اور سیئات نہیں بتا سکتا کہ ان میں کون منجھے گئے ہیں اور کون نہیں اور کون سے نہیں بخشے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر گناہ بخش دیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے

﴿ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (النساء: ۴۷)

ے شک اللہ تعالیٰ اس بات نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے

اور مجھے یہ بات نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ بندوں میں سے کس کی بخشش چاہیں گے اور کس کی بخشش نہیں چاہیں گے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿مرتکب کبیرہ اور صغیرہ کی مغفرت کا حکم﴾

(۱۵) امام ابو مقاتل:

کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ قاتل کی مغفرت فرما دیں اور اس عمل کے دیکھنے والے کو عذاب دیں اور کیا آپ ان دونوں کے بارے میں یکساں طور پر امیدوار مغفرت نہیں؟

امام ابو حنیفہ:

میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ قاتل کی مغفرت فرما دیں تو صرف دیکھنے والا اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی بخشش ہو؛ اور اگر دیکھنے والا عذاب کا مستحق ہے تو قاتل اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو عذاب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ان اکرمکم عند الله اتقاکم﴾ (الحجرات: ۱۲)

بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل تکریم وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اور چونکہ دیکھنے والے نے قتل میں حصہ نہیں لیا اس لئے یہ قاتل کی نسبت بچاؤ کا زیادہ حق دار ہوگا۔

رہی دونوں کے لئے مغفرت کی امید تو:

اس مغفرت کے بارے میں میرے نزدیک دونوں برابر نہیں کیونکہ گناہ کے بارے میں صغیرہ گناہ والا شخص زیادہ امیدوار مغفرت ہے اس

سے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب شخص امیدوار مغفرت ہو اور اگرچہ میں ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عذاب اور گرفت کا خوف تو ہے مگر گناہ کبیرہ والا شخص زیادہ عذاب خداوندی میں زیادہ خوف میں ہے بنسبت اس شخص کے جو گناہ صغیرہ کا مرتکب ہے۔
اسکی مثل یوں سمجھو کہ

دو شخص پانی میں گھے ایک تو چھوٹی سی نہر میں کودا اور دوسرے نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تو میرے نزدیک اگرچہ غرق ہونے اور بچاؤ کے بارے میں دونوں کی امید تو کی جاسکتی ہے مگر سمندر میں کودنے والے کو ڈوبنے کا زیادہ خطرہ ہے اور نہر والے ڈوبنے کا کم خطرہ ہے۔ اور میں نہر میں کودنے والے کے بارے میں بچاؤ کا زیادہ امیدوار ہوں بنسبت سمندر میں کودنے والے کے

اسی طرح گناہ کبیرہ کے مرتکب پر عذاب کا زیادہ خوف ہے اور صغیرہ والے سے اور صغیرہ والا گناہ کبیرہ والے کے زیادہ امیدوار مغفرت ہے اور میں ان دونوں کے اعمال کے مطابق انکے لئے پر امید مغفرت بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا خائف بھی ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿تبراء کا حکم؛ شرک کی حقیقت﴾

(۱۶) امام ابو مقاتل:-

آپ نے جو مثال پیش فرمائی وہ بے حد پسند آئی ہے
اب تھوڑی اور جرأت کروں گا اور آپ سے ہ پوچھوں گا کہ گناہ کبیرہ کے
مرتکب پر استغفار زیادہ اچھا ہے یا اس پر لعنت کرنا، یا دعا کرنے یا استغفار اور لعنت کرنے میں اختیار ہے جو چاہیں اختیار کر لیں مہربانی فرما کر
اس کی وضاحت فرمادیں؟

امام ابو حنیفہ:

دیکھو! شرک کے علاوہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جس کا تعلق تم سے ہو اور ایک وہ جس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہو؛ اور ان دونوں میں
سے بندہ جس کا ارتکاب کرے اس کے لیے دعا اور استغفار ہی افضل ہے اور اگر تم نے اس پر لعنت کی تو بھی تم گنہگار نہ ہو گے؛ اس کی مثال ایسے
ہے کہ کسی شخص نے تم سے زیادتی کی اور تم نے اسے معاف کر دیا اور بددعا نہیں کی تو زیادہ اچھا ہے۔

اور اگر گناہ بندہ اور خالق کے مابین ہے لیکن شرک کے علاوہ ہے تو جو اس نے اللہ تعالیٰ کی گواہی کی تکریم کرتے ہوئے اس کے لئے دعائے
مغفرت کرنا افضل ہے اور اگر اس کے لئے ہلاکت اور بربادی کی دعا کی تو بھی گنہگار نہ ہو گے؛

یہ تو کہہ سکتے ہو کہ خداوند اس کے گناہ کا بدلہ لے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ خداوند ابلا وجہ اس کو مصائب میں مبتلا کر دے ایسا کرنے سے سخت گناہگار
رہو گے؛

اس کے لئے استغفار کی افضلیت کی دو جہیں ہیں

(۱): ایک وجہ تو اس کے لئے استغفار اس لئے افضل ہے کہ وہ مؤمن ہے؛

(۲): اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا یقین نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیں گے؛ اور اگر آپ کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس
کو عذاب دیں گے تو اس کے لئے دعا و استغفار حرام ہے کیونکہ جس شخص کے لئے دوزخ ضروری قرار دی گئی ہو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے

دعا اور استغفار سے منع فرمایا ہے اور اگر کسی نے اس شخص کے لئے دعا اور استغفار کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کا سوال کیا؛ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اے اللہ مجھے موت نہ دینا جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکے ہیں

﴿كُلْ نَفْسٌ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (ال عمران: ۸۴)

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے

لہذا جس شخص کے لئے اس قسم کی مغفرت کی شہادت اور گواہی مل جا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں شہادت اور اقرار کی حرمت اور تکریم کے پیش نظر اس کے لئے دعا کرنا ہی زیادہ افضل ہے؛

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی اطاعت اس کی شہادت اور گواہی دینے سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کے مقابلہ میں دیگر تمام فرائض کی حیثیت اتنی بھی نہیں ہے جتنی ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں ایک انڈے سے بھی چھوٹی کوئی چیز رکھی جائے تو اس کی برابری نہیں ہو سکتی اسی لئے ہم کہتے ہیں جس طرح دنیا میں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی گواہی دینے سے بڑی اطاعت ہے اور اجر والی کوئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ شرک کے بارے میں جو کچھ فرمایا کسی اور گناہ کے بارے میں ارشاد نہیں فرمایا ہے، لہذا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے؛ اس قسم کے کلمات اللہ تعالیٰ نے کسی گناہ کے بارے میں نہیں کہے؛ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے

﴿وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتُحَطُّهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوَىٰ بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ (الحج: ۳۰)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہو تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اسکو ہوانے دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَطِرُونَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا؛ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا﴾ (مريم: ۸۹)

کہ یہ بات بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے اور زمین کی کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں کفار کی اس بات کی بناء پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں

اس قسم کی آیات تو اللہ تعالیٰ نے قتل اور دوسرے بڑے گناہوں کے متعلق بھی نازل نہیں فرمائیں جو شرک کی مذمت کی غرض میں نازل فرمائی ہیں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆



(۱۷) امام ابو مقاتل:-

اس مذاکرہ نے تو میری رغبت اور بڑھادی اسکے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو تمام مسلمانوں کی جانب سے احسن جزاء عطا فرمائیں۔ آپ تمام مسلمانوں کے بارے میں خواہ نیک سیرت ہوں یا خطا کار نہایت ہی بہتر فکر و عمل رکھتے ہیں؛

اور آپ مرتبہ میں ان سے بلند ترین ہونے کے باوجود نہایت اعلیٰ درجہ کی محبت رکھتے ہیں
لیکن اس بات سے مجھے آگاہ فرمائیں کہ کیا آپ مجھے اہل عدل کے بارے میں کچھ بتائیں گے کہ کیا ان میں باہم دگر مراتب و فضیلت اور
شرافت کے لحاظ سے کوئی فرق پایا جاتا ہے؟

امام ابو حنیفہ:-

اس بارے میں بات یوں ہے کہ جہاں تک شعائر اللہ اور اللہ تعالیٰ کی حرمت کا تعلق ہے اس میں تمام اہل عدل متفق بھی ہیں اور مساوی بھی ہیں
اور جہاں تک فضیلت کی بات ہے: وہ اپنے اپنے اعمال کی بنا پر ہے اور اسی لئے اس میں فرق مراتب ہے؛
کچھ لوگ ہیں کہ حرمت اللہ کی تعظیم و تکریم کے باب میں حجت کی دولت سے سرفراز ہیں۔ ان کو باگاہ ربانی سے دعا اور توجہ کا گہرا تعلق ہے۔ اس
کی راہ میں ذمہ دارانہ اقدام کرتے ہیں۔ امت کے حال پر عمیق نظر ہے ہر وقت اسی کی فکر
ہے۔ مسلمانوں کی بلند و برتر دیکھنے کی تمنا میں جیتے ہیں۔ ان پر آئی ہوئی بلاؤں کو اپنے سر لیتے ہیں۔۔۔ جیسے دشمن کے مقابل کوئی لشکر ہوتا ہے کہ
دشمن کے استیصال پر پورا لشکر متفق ہے۔ لیکن حرب چھوٹے بڑے فنون سپہ گری کی مہارت جنگی تدابیر، مالی ایثار، جا ثاری اور تحیص و ترغیب جیسے
اعمال و کردار پر موقوف ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۱۸) ابو مقاتل:-

واللہ، اس بہتر طریقہ پر اور کوئی کیا سمجھائے گا۔ قیاس اور انطباق قیاس اسکو کہتے ہیں یہ تو فرمائیے کیا مؤمن ارتکاب کبیرہ سے اللہ کا دشمن ہو
جات ہے؟

امام ابو حنیفہ:-

مؤمن خواہ کتنا بھی کبیرہ کا ارتکاب کرے اللہ تعالیٰ کا دشمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ توحید کا دامن نہ چھوڑے کیونکہ دشمن کو دشمن سے بغض ہوتا ہے
وہ کبھی اسے اپنا سمجھنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سچ ہے کہ مؤمن کبھی مرتکب کبیرہ ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ہی اسے سب سے زیادہ
محبوب رہتے ہیں، اسکا تجربہ اس طرح ہو سکتا ہے صکہ ایک گناہگار سے اگر کہا جائے کہ تم سچے دل سے کافر ہو جاؤ، خدا پر افترا درازی کرو ورنہ
نذر آتش کر دیے جاؤ گے۔۔۔ تو انشاء اللہ مجھے اسکے ایمان پر بھروسہ ہے کہ وہ آگ میں جل جائے گا مگر دل
سے کافر نہ ہو سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و مقصود سمجھتا ہے۔ اور اسکا عملی مظاہرہ بھی کر سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۱۹) امام ابو مقاتل

بجا ارشاد ہوا، لیکن اگر اس مؤمن کا جل مجدہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں تو نافرمانی کیوں کرتا ہے کیا کوئی ایسا کر سکتا ہے کہ کسی ذات کو اپنے
لئے سب کچھ سمجھتا ہے اور پھر اس کے اوامر سے روگردانی کرتا ہے۔

امام ابو حنیفہ

ہاں ایسا ہوتا ہے بیٹے کو باپ سے زیدہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی پھر بھی نافرمانی کرتا ہے اسی طرح مؤمن کو اللہ تعالیٰ نافرمانی کے باوجود سب سے زیادہ محبوب ہیں اور معاصی کے ارتکاب تو خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے کرتا ہے اسکی مثال ایک اور طرح سے سمجھو کہ ایک شخص بادشاہ کا خادم ہوتا ہے یا گورنر ہے۔ کسی وجہ سے بادشاہ اسے معزول کر دیتا ہے، عبرتناک سزا دیتا ہے لیکن پیر عہدہ پر بحال کر دیا جلدی گیا تو پھر وہی حرکت کرے گا، حالاں کہ سب کچھ جانتا ہے۔

دیکھو عورت کے لیے ولادت سے زیدہ اور کیا تکلیف ہو سکتی ہے پھر بھی اس سے فرغت کے بعد بچے کی خواہش کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۲۰) امام ابو مقاتل

بالکل صحیح ہے، بشریت کی وجہ سے کتنے عابد اور متقی مصلوب ہو گئے، سیدنا آدم و داؤد علیہما السلام پر بھی بشریت کا غلبہ ہوا لیکن مجھے اس مؤمن کے بارے میں بتائیے جو عذاب کو خوب جانتا ہے کیا یہ بھی معصیت کا ارتکاب کر سکتا ہے؟

امام ابو حنیفہ

ہاں عذاب اور سزا کو جانتے ہوئے ارتکاب کر سکتا ہے لیکن اسکے دو باعث ہیں ایک تو اسے امید رہتی ہے کہ بخشش ہو جائیگی دوسرے یہ کہ وہ بیماری اور موت سے پہلے توبہ کر لے گا

انجام سے بے خبر افعال کا ارتکاب

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۲۱) امام ابو مقاتل

تو کیا کوئی شخص ایسی حرکت کر سکتا ہے کہ جس کا انجام بد اس قطعاً معلوم ہو؟

کفر کی تعریف اور تشریح

امام ابو حنیفہ

----- ہاں کر لیتا ہے بسا اوقات انسان سمجھتا ہے کہ کھانا یہ پینا یہ قتل اور دریا میں اترنا نقصان دہ ہے پھر بھی اقدام کرتا ہے، اگر دریا میں لکودنے والے کو غرق سے نجات کی امید نہ ہوتی جنگ کرنے والے کو غلبہ پانت کا یقین نہ ہوتا، تا دریا میں کودنے اوت جنگ میں شرکت کا اقدام کبھی بھی نہ کرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۲۲) امام ابو مقاتل

بالکل درست فرمایا میرے ساتھ بھی اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ کھانا میرے لیے نقصان دہ ہے پھر بھی کھا لیتا ہوں، بعد میں پچھتا تا ہوں اور ہمیشہ کے لیے عہد کر لیتا ہوں کہ اب ایسا نہ کرو ناگ لیکن پھر جب سامنے آتا ہے تو صبر نہیں کر ہو پاتا ہاں مجھے

آپ کفر کی تعریف اور تشریح بھی بتا دیں نوازش ہوگی۔

امام ابو حنیفہ

کفر ایک خاص فعل کا نام ہے جو اپنے سوا کسی دوسرے اسم پر نہیں بولا جاتا۔ کفر کی تفسیر یہ ہے کہ کفر انکار و رجوہ اور تکذیب کو کہتے ہیں۔ کفر خالص عربی زبان کا لفظ ہے اہل زبان اسکو انکار کے موقع پر بولتے ہیں۔ قرآن کریم عربی مبین میں نازل ہوا اس لئے یہی معنی اختیار کرنے پڑیں گے۔

مثلاً کسی شخص نے کچھ روپیہ قرض لیے اور وقت مقررہ پر جب قرض خواہ نے طلب کئے تو اس نے قرض کا اقرار تو کر لیا لیکن ادا نہیں کیا اب یہ قرض خواہ یوں کہہ سکتا ہے کہ اس نے میرے ساتھ ٹال مٹول کی لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کافرنی، کہ اس نے انکار کیا، اسی طرح مؤمن جب کسی قرض کو بغیر انکار چھونے کے ساتھ ساتھ انکار بھی کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے فرض کا منکر ہے اور اب کافر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۲۳) امام ابو مقاتل

منکر کو منکر، مصدق کو مصدق اور خطا کا رکو خطا کا ر اگر کہا جاتا ہے تو بجا طور پر کہا جاتا ہے لیکن ایک شخص تو حید اللہ تعالیٰ کا اقرار تو کرتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتا ہے کیا مؤمن ہو سکتا ہے؟

امام ابو حنیفہ

اولاً تو ایسا ہو نہیں سکتا اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو ایسا شخص کافر ہے، وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے کہ اسے تو حید اللہ غراسمہ کا اقرار و اعتراف ہے اللہ تعالیٰ کا

منکر ہی نبی کا کریم ﷺ کا منکر ہو سکتا ہے یہی اسکے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے انکار کی وجہ سے کافر ہو۔ نصاریٰ آنحضرت ﷺ کا انکار کریت ہیں مگر ان کا کفر اس لئے ہے کہ انھوں نے ایک ایسی ذات کے لئے اولاد ڈھرائی جو اس عیب سے پاک ہے، انھوں نے اس کو ثالث ثلاثہ میں (تین کا ایک گروہ) گردانا یہی کفر ہے۔

اسی طرح جو دکان معاملہ ہے کہ انھوں نے اک ایسی ذات غنی کے ساتھ کفر کیا جو کبھی محتاج و دست نگر نہیں۔ ایک ایسے جو ادودنی کے ساتھ کفر کیا جو بخل سے کوسوں دور ہے اک ایسے رب کے ساتھ کفر کیا جو صاحب اولاد نہیں، اک ایسے بادشاہ کے ساتھ کفر کیا جسکا کوئی میثل نہیں، ان لوگوں نے خداوند ذوالجلال کو کو فقیر کہا، بخل کے باعث اسکے ہاتھوں کو بندھے ہوئے کہا، سیدنا عزیر علیہ السلام کو اسکا فرزند کہا اسکو انسان کا ہم شکل کہا اولاد انھوں نے کفر بلکہ کیا جسکا ایک نتیجہ کفر بالسلو بھی ہے۔ ہیہ صورت حال ان لوگوں کی ہے جو چاند سورج یا آگ کو پوجتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ کفر ہے۔

ارشاد ربانی ہے

﴿وما یحجد بایاتنا الا الکافرون﴾ (النکبت: ۴۶)

اور ہماری آیتوں سے بجز (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمَوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مَّا قَضَيْتَ وَيَسْلُمُوتَ سِلَاسًا﴾ (النساء: ۶۴)

پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ انکے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پادیں اور پورا پورا تسلیم کریں

اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ موحد ہے تو اسکو منکر رسول ہونے کی وجہ سے کافر کہیں گے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے کہا کہ وہ بیس سیر غلہ اٹھا سکتا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ دوسرا اٹھانے سے بھی مجبور ہے تو بھلا بیس سیر کیسے اٹھائے گا یا ایک شخص یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو حق جانتا ہوں لیکن مجھے اس کا اقرار نہیں کہ انسان

اللہ تعالیٰ کی نشانوں سے انکار براہ راست انہیں کی ذات سے انکار ہے، رسول کا وجود بھی اک نشانی ہے اور زبردست نشانی ہے جیسا کہ موخر الذکر آیت سے صاف ظاہر عیاں ہے اس لئے انکار رسول۔ انکار رب ہے۔

اسی کی مخلوق ہے ہم کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو اس کو یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے مخلوق ہے یا ایک شخص کے سامنے چراغ بھی ہے اور بالکل قریب ہی آگ بھی بھڑک رہی ہے، کہتا ہے چراغ تو دیکھ رہا ہوں لیکن یہ سینکڑوں تن لکڑیوں میں جو آگ لگ رہی ہے وہ نظر نہیں آتی تو تم اسے یقیناً جھوٹا کہو گے کیونکہ اگر وہ چراغ دیکھتا تو آگ کا دیکھنا ضروری تھا کہ آگ اس چراغ سے زیادہ روشن ہے،

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿انبیاء کی تصدیق کے باوجود ارادہ قتل﴾

(۲۴) امام ابو مقتل

یہ مسئلہ تو واضح ہو گا اب اس شخص کے باب میں کیا ارشاد ہے جو رسول سے یہ کہتا ہے کہ جانتا ہوں آپ رسول برحق ہیں، مگر میرا جی چاہتا ہے آپ کو قتل کر دوں

امام ابو حنیفہ

----- یہ مسائل تخت پیشہ لوگوں کے ہیں ورنہ یہ محال ہے کہ ایک شخص

جانتا ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں پھر بھی قتل اور موت یا تکلیف پہنچانے کی خواہش ہو۔ اسکی مثال تو اس آدمی جیسی ہے جو اپنے ساتھی سے کہ رہا ہے کہ تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو لیکن جی چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے تمہارا گوشت کھا جاؤں۔

کوئی ایسا شخص نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا قائل ہو اسکے باوجود درپے آزار ہو۔ اگر یہ شخص اللہ اور اسکے رسول کو واقعی جانتا ہے تو قتل تو درکنار یہ تو معمولی سے معمولی بات انکے حق میں گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ تو اس کے لیے سارے جہاں سے زیادہ عزیز اور محترم

ہیں۔ عیب و انتقاض کے پیش نظر یہ آپ کو اعرابی یا تنگدست بھی نہیں کہ سکتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

﴿مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۷۹)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ تعالیٰ اطاعت کی

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو انس و جن اور تمام مخلوق کا قائد بنایا ہے اور فرائض و سنن کا امین بنایا ہے۔۔۔ ارشاد ہے؛

﴿وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (الحشر: ۶)

اور رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روکیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے۔ افعال اور احکام میں بھی تم رک جایا کرو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿معرفت اللہ کے بعد اللہ کی اولاد کا معترف ہونا﴾

(۲۵) امام ابو مقاتل

آپ نے مجھے بصیرت عطا کی اللہ تعالیٰ آپ کے راستہ کو قیامت میں منور رکھے۔ یہ بتائیں کہ جو شخص اللہ کی معرفت کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کی اولاد کا قائل ہو جاؤں اس کے باب میں کیا کہا جائے گا؟

امام ابو حنیفہ

کیا یہ مسئلہ اور اوپر وال مسئلہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے متعین کے سوالات بھی تھے۔ لیکن ایک بات بتاؤ کہ کیا تم کہہ سکتے ہو، میت ختم ہوتی ہے۔ اگر تم یہ نہیں کہہ سکتے تو اک موحد غراسمہ کے لئے اولاد کا مقرر و معترف نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿قدیم نفاق اور کفر اور آج کے دور میں فرق﴾

(۲۶) امام ابو مقاتل

بخدا یہ شریکوں کے سوالات ہیں اس میں مجال گفتگو نہیں۔ کیا آج کے نفاق اور پہلے کے نفاق اور آج کے کفر اور پہلے کے کفر میں کچھ فرق ہے؟

امام ابو حنیفہ

۔۔۔ آج کا نفاق پہلے جیسا نفاق ہے اور آج کا کفر پہلے ہی سا کفر ہے کیوں کہ آج کا اسلام بھی پہلے جیسا اسلام ہے۔ سنو کہ اب تمہیں نفاق اولین کی حقیقت بتا رہا ہوں کل نفاق کی حقیقت یہ تھی کہ زبانی تصدیق و ایمان ہو جائے اور دل شریک تصدیق و ایمان نہ ہو۔ یہ صورت جن لوگوں میں کل تھی آج بھی ہے اور باری ۸ تعالیٰ کا نفاق اور منافق کے بارے میں یہ ارشاد ہے

﴿اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول لله﴾ (النفاق: ۱)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اسکے بعد ان بد نصیبوں کی تکذیب اور تردید فرماتے ہیں۔

﴿والله يعلم انك لرسول والله يشهد ان المنافقين لكاذبون﴾ (النفاق: ۱)

اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اسمیں تو انکے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی) اور (باوجود اسکے) اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں۔

انکی تکذیب جھوٹ بولنے کی وجہ سے نہیں کی گئی بلکہ مدار تکذیب دل اور زبان کا انحراف ہے کچھ دل میں تھا زبان پر نہ تھا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرما

رہے ہیں۔

﴿اذا لقوا الذين امنوا قالوا امنا اذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم انما نحن مستهزون﴾ (البقرة:)

اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پچھتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزا کیا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿کافر اور مؤمن کہنے کی وجہ﴾

(۲۷) امام ابو مقاتل۔

بالکل صحیح ہے یہ بالکل انصاف کی بات ہے؛

اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی کتاب میں مؤمن اور کافر کیوں کہا ہے؟ اور ہم اپنی زبانوں سے یہ الفاظ کیوں کہتے ہیں؟

امام ابو حنیفہ

انسانوں کو اللہ تعالیٰ تعالیٰ مؤمن اور کافر اسی لئے فرماتے ہیں کہ وہ دلوں کی پوشیدہ باتوں سے بخوبی آگاہ ہیں اور ہم انکی زبان سے تصدیق اور تکذیب کے طور طریق دیکھ کر مؤمن یا کافر ہونے کے بارے میں کہتے ہیں گر کچھ لوگوں کے بارے میں صرف یہ جانتے ہوں کہ مساجد میں آتے جاتے ہیں اور قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو انہیں مسلمان کہیں گے انہیں سلام کریں گے چاہے وہ اتفاق سے یہودی اور نصرانی ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح عہد رسول میں منافقوں کا ظاہری حال دیکھتے ہوئے مسلمان ان کو بھی مسلمان ہی کہتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کافر ہی تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو انکی دلی تکذیب معلوم تھی۔ یہیں سے ہم یہ سمجھے کہ ہم لوگوں کے ظاہر حال کو دیکھتے ہوئے مسلمان کہیں خواہ وہ بارگاہ خداوندی میں کافر ہوں، اسی طرح ہم دوسرے لوگوں میں کفار کے طور طریق دیکھ کر انہیں کافر کہیں گے خواہ وہ بارگاہ الہی میں مؤمن ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سے چھپ کر نماز پڑھتے ہوں۔

چوں کہ یہ تمام حالات ہم سے پوشیدہ ہیں اسی لئے ہم سے اللہ تعالیٰ اسکا مواخذہ نہیں کریں گے۔ دلوں کے پوشیدہ اسرار جاننے کے ہم مکلف نہیں، ہاں اسکے مکلف ضرور ہیں کہ لوگوں میں اس کے طور طریق دیکھ کر ان سے محبت

کریں۔ انکے ساتھ اسلامی سلوک کریں اور اگر ظاہری حالات خراب ہوں تو ان سے دور رہیں واللہ اعلم بالسرر۔ اور یہی حکم کر اما کاتبین کو بھی ہے کہ وہ صرف لوگوں کے ظاہری حالات دیکھیں کیونکہ حالات قلب صرف اللہ ہی جانتے ہیں یا رسول جانتے ہیں اگر انہیں بذریعہ وحی بتا دیے گئے ہوں، اگر کسی نے بلا وحی یہ دعویٰ کیا کہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے تو گویا وہ علم الہی می ۹۱ شرکت کا مدعی ہے۔ اسکے ساتھ اگر وہ کسی اور غائب چیز کے معلوم ہونے کا مدعی بھی ہے تو کافر اور لائق دوزخ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۲۸) امام ابو مقاتل

آپ نے بالکل عادلانہ اور درست بات فرمایا ہے!

ارجاء کی حقیقت

اب مجھے یہ بتائیں کہ ارجاء کا اصل مفہوم کیا ہے؟ اور کن لوگوں کے بارے میں حتمی فیصلہ دینے میں تاخیر اور اللہ تعالیٰ سے ارجاء کی جاسکتی ہے؟

امام ابو حنیفہ

اصل کے لحاظ سے ارجاء کی ابتدا ملائکہ سے ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے سامنے چند اسماء پیش کیئے تاکہ ان کا مفہوم معلوم فرمائے؛ اور اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿انبؤنی باسماء هؤلاء﴾ (البقرة: ۳۰)

یعنی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے ان چیزوں کے نام (اور ان کے آثار اور خاصیات بتاؤ) تو ملائکہ غلطی کے ڈر سے خاموش رہے؛ کہ بلا علم کوئی بات کہیں مگر اس پر ان سخت افسوس تھا؛ پھر کسی قدر توقف کے بعد جواب دیا کہ:

﴿سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا﴾ (البقرة: ۳۱)

اے اللہ! آپ تو پاک ہیں؛ ہمیں تو آپ کے دئے ہوئے علم کے سوا کوئی علم نہیں ہے؛ ملائکہ اس جاہل آدمی کی طرح اپنی طرف سے بات نہیں بناتے؛ جیسے کوئی شخص کسی جاہل آدمی سے مسئلہ پوچھے اور وہ اس بارے میں بالکل نہ جانتا ہو اس کے باوجود جواب دینے کے لئے بول پڑے؛ اور کسی دوسرے کی پرواہ بھی نہ

کرے کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا؛ اب اگر اس نے بالکل صحیح جواب نہ دیا تو اس کو خطا کا رکھ کر اسکی جان بخشی ہو جائے گی؛ اور اگر اس نے درست جواب دیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے کوئی اچھا کام سرانجام دیا ہے۔ کیونکہ اس نے جو کہا وہ بات بلا سوچے سمجھے اور بغیر علم کے اڑائی ہے، اب اگر موقع پر جا لگی تو اسکا تیر اور نہ لگی تو تکتہ ہے؛ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم فرمایا:

﴿ولا تقف ما ليس لك به علم﴾ (الاسراء: ۳۵)

یعنی آپ اس چیز کے درپے نہ ہوں جس کو آپ کو خود نہ جانتے ہوں اور آپ کے پاس اس کا یقینی علم نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ان السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً﴾ (الاسراء: ۳۵)

کیونکہ کانوں؛ آنکھوں اور دل کے بارے میں ہر شخص سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔ آپ ﷺ کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ آپ یقین کامل کے بغیر کسی سے کے بارے میں کوئی بات کریں؛ یا اس سے دشمنی مول لیں؛ یا پھر دوسرے لوگوں پر کسی یقین کے بغیر محض شک اور اندازے سے بہتان لگائیں یا عیوب جوئی میں لگے رہیں؛ اب سوچو جب معاملہ انبیاء کے ساتھ اس قدر احتیاط کا ہے؛ تو ان لوگوں کا کیا بنے گا جو بلا کسی یقینی بات کے صرف اپنے اندازے اور تخمینے یا کشف و خیال سے کسی کے بارے میں عیب جوئی کرتے اور بہتان لگاتے ہیں۔

ارجاء پر توقف کی تفسیر

اور ارجاء پر توقف کی تفسیر یہ ہے کہ: جب کوئی شخص تم سے ایسی بات پوچھے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام ہے؛ یا پرانے زمانے میں گذرے لوگوں کی بارے میں کوئی سوال کرے تو: تم اس کے جواب میں اپنی طرف سے اندازہ لگانے کی بجائے اس کو یہ جواب دو اللہ اعلم۔ یعنی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے؛ اور اسی طرح جب آپ کے پاس تین آدمیوں کا گروہ کوئی بات دریافت کرنے کے لئے آئے؛ اور اس کے بارے میں آپ کو معلوم نہ ہو اور نہ اس کا جواب تجربہ اور قیاس کی بناء پر ہی ہو سکے تو اسکو اللہ کے سپرد کر دیں؛ اور بات اسی پر موقوف کر دیں اور اس میں مزید این و آں نہ کریں؛

اور رہا مسئلہ ار جاء کی تفسیر کا؛ تو وہ یوں ہے کہ: جب تم کچھ ایسے لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے ہو کہ وہ بڑے اچھے حال میں ہوں اور اسی حال میں تم انکو چھوڑ کر کہیں روانہ ہو جاتے ہو؛ کچھ عرصہ کے بعد تمہیں اطلاع ملتی ہے کہ وہ دو گروہ بن گئے ہیں اور آپس میں برسر پیکار ہیں۔ تم اس بات کی اطلاع پانے پر وہاں پہنچے تو تم نے وہاں دیکھا کہ وہ اسی حالت پر ہیں جس پر تم نے ان کو چھوڑا تھا، جو کچھ لڑائی جھگڑا ہوا تھا ہمارے بعد ہوا تھا ہمارے بعد ہوا۔ معاملہ کی تفتیش اور دریافت کرنے پر ہر فریق کہنے لگا ہم مظلوم ہیں؛ اور خود ان کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور گواہ نہیں؛ اور تم خود انکے آپس میں قتل و قتل کے

آثار و قرائین دیکھ رہے ہو؛ لیکن اب ظالم و مظلوم کا پتہ چلانا آپ کے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ انکی آپس میں گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں فریق مدعی بھی اور مدعی علیہ بھی ہیں اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اب تمہارے لئے یہی مناسب ہے کہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ دونوں فریق اپنی رائے میں درست نہیں ہو سکتے؛ اب دو ہی صورتیں ہیں: یا دونوں خطا کار ہیں؛ یا ان میں سے ایک ضرور غلطی پر ہے؛ ایسی صورت میں آپ کے لئے یہ بہتر ہے کہ ان میں کسی ایک کو ملزم ٹھہرانے میں جلدی کرنے کی بجائے اس معاملہ میں توقف کرے؛ کیونکہ آپ ان کے بارے میں یہ رائے بھی قائم نہیں کر سکتے کہ ان میں سے ہر ایک ظالم بھی ہو اور مظلوم بھی؛ اور نہ ہی دونوں کو درست کہا جاسکتا ہے؛ اب ظاہر بات ہے کہ: ایک جماعت دوسری جماعت سے لڑائی کرتی ہے تو دونوں غلطی پر ہو سکتی ہیں؛ یا ایک غلطی پر اور دوسری درست پر ہو سکتی ہے؛ عافیت اسی میں ہے کہ اس معاملہ میں توقف کیا جائے؛

اور ار جاء کی تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ: گناہگاروں کے بارے میں تم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پُر امید رہو، اور انکے دوزخی یا جنتی، ہونے کا دعویٰ نہ کرو بلکہ ان کا جنتی یا دوزخی ہونے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو؛ اور وہ جیسے چاہے ان کے بارے میں فیصلہ کرے اس کی مرضی ہے؛

لوگوں کے مراتب:

کیونکہ ہمارے نزدیک لوگوں کے تین مراتب ہیں:

(۱) اولیں مرتبہ تو انبیاء کا ہے اور انکے بارے میں ہماری حتمی رائے یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں؛ اور ہر وہ شخص جو انبیا کو جنتی کہنے والا ہے وہ بھی جنتی ہے؛

(۲) دوسرا مرتبہ مشرکین کا ہے: ان کے بارے میں ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ سب کے سب دوزخی ہیں؛

(۳) تیسرا مرتبہ موحدین کا ہے اور انکے بارے میں ہم توقف کریں گے؛ یعنی نہ تو انکے بارے میں صریحاً یہ کہیں گے کہ وہ جنتی ہیں اور نہ یہ کہ وہ دوزخی ہیں بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے؛ مگر اللہ تعالیٰ سے امید رکھیں گے کہ وہ ان کو ضرور معاف کر دے گا؛ اور اس امید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا خوف بھی ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکی طرف سے گرفت ہو جائے؛ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ﴾ (التوبة: ۱۰۲)

یعنی جنہوں نے اچھے اور برے ملے جلے عمل کئے تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے امید پر ہے؛ شاید اللہ تعالیٰ انکے حال پر رحمت فرماتے ہوئے انکی طرف رجوع فرما کر انکی توبہ قبول فرمائیں؛ اور مندرجہ ذیل آیت کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے پُر امید رہیں گے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ لِمَن يَشْرِكْ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۶)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا باقی سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور اسی بناء پر ان معاصی اور گناہوں کی وجہ سے ڈرتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہ ہو جائے۔

اگرچہ مسئلہ ارجاء امام اعظم کے جواب سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے مگر تفصیل مزید کے لئے امام اعظم کے ایک شاگرد بصرہ کے معروف عالم دین اور امام: عثمان بن سلیمان البتی التونی رحمہ اللہ کے سوال کے جواب میں امام اعظم کا تفصیلی جواب مندرجہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

من ابی حنیفة الی عثمان البتی

اسلام علیک !

بعد از حمد و صلوة تم کو خشیت الہی اور اطاعت اللہ کی نصیحت کرتا ہوں؛ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ محاسبہ کرنے والے ہیں؛ اور ہر عمل کی پوری جزاء دینے والے ہیں؛

تمہارا غلط کیا ہے؛ اور اس میں جو ہمدردانہ باتیں آپ نے میں لکھی ہیں ان کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں؛ اور تم نے جو خط میں یہ لکھا کہ ”خط لکھنے کا مقصد صرف طلب ہدایت اور خیر خواہی ہے“ اس کو میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں؛

اور تم نے ایک جگہ لکھا کہ تمہیں میرے فرقہ مرجیہ میں شامل ہونے کی اطلاع ملی ہے؛ نیز یہ کہ آپ کو اطلاع ملی کہ میں اس بات کا مدعی ہوں کہ: ”مومن گمراہ بھی ہو سکتا ہے“؛ اور یہ باتیں میری طرف سے آپ کے لئے تکلیف اور طبیعت پر گرانی کا باعث ہوئی ہیں؛ اور انہی باتوں نے آپ کو خط لکھنے پر مجبور کیا؛

لہذا جواب سنو! کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہو وہ شرعی طور پر عذر نہیں بن سکتی؛ اور انسان اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتوں سے کبھی راہ ہدایت اور صداقت نہیں پاسکتا؛ شرعی طور پر کلمۃ الحق اور کلمۃ فیصل اگر کوئی چیز بن سکتی ہے تو وہ صرف تین چیزیں ہیں (ایک): قرآنی ہدایت (دوسری) سنت رسول ﷺ (تیسری): اصحاب رسول اللہ کا عمل؛ اس کے علاوہ سب کچھ بندوں کی ایجاد ہے؛ اور ایک لحاظ سے بدعت کی تعریف میں آتی ہیں؛

اس مکتوب کو پوری توجہ سے پڑھو؛ خود پسندی اور شیطانی خواہشات سے اجتناب کرو؛ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بیماری سے محفوظ فرمائے اور اپنے اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق نصیب فرمائے؛ اور ہم اسی کی رحمت اور اطاعت کی توفیق کے طلب گار ہیں

سنو! آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے لوگ مشرک تھے جب آنحضرتؐ دعوت اسلام لے کر مبعوث ہوئے اور لوگوں کو دعوت دی کہ گواہی دیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ایک ہیں اور آنحضرتؐ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس کا اقرار کریں پس جو شخص بھی اسلام میں داخل ہو گیا وہ شرک سے بری ہوا اس کا خون مسلمانوں پر حرام ہوا اور تمام مسلمانوں پر اس کی عزت و حرمت ضروری قرار دی گئی؛ اس کے برعکس جس شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ کافر؛ اور ایمان سے دور تھا لہذا: اس کا مال اور خون مسلمانوں کیلئے حلال تھا قتل یا جزیہ کے علاوہ کوئی چیز اس سے باعث مصالحت نہیں ہو سکتی تھی اس کے بعد مسلمانوں کے حقوق اور فرائض کے بارے میں آیات پاک کا نزول ہوا اور ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہو گئے:

﴿الذین آمنوا وعملوا الصالحات﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے؛ دوسرے مقام پر ارشاد اللہ تعالیٰ ہے

: ﴿من یومن باللہ ویعمل صالحاً﴾

جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے؛ اور اس جیسے بہت سے ارشادات ہیں لیکن اچھے اعمال کے چھوڑنے سے آدمی کی ایمان کی تصدیق اور اس کا نہ ہونا لازم نہیں آتا؛ کیونکہ تصدیق، --- کے بغیر حاصل ہو چکی ہے اگر ایک عمل سے محروم انسان (مومن) محروم ایمان اور تصدیق بھی ہوتا تو اس سے ایمان کا تسمیہ و اطلاق بھی ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا۔ نہ حرمت باقی رہتی نہ کوئی حق اور ایسے تمام لوگ پہلے کی طرح کافر ہو جاتے۔

ایمان و عمل کے الگ الگ ہونے کی وجہ ایک اور بھی ہے کہ لوگوں کی تصدیق کے لحاظ سے نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی تصدیق کی وجہ سے ان میں باہم۔ فرق و مراتب ہو سکتا۔ فرق مراتب اعمال میں ہوتا ہے اعمال مختلف ہوتے رہتے ہیں انبیاء و رسل اور فرشتوں کا دین ایک ہی ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ﴾

تمہارے لئے بھی وہی شریعت شریعت مقرر کی ہے جس کا حکم نوح کو دیا گیا اور جس کی تمہیں وحی کی گئی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم موسیٰ عیسیٰ کو دیا کہ دین الہی کو قائم کرو اور اسی کے بارے میں متفق رہو؛ ایک ہدایت تو وہ ہے جس کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق سے ہے۔ اور ایک وہ ہے جس کا تعلق اعمال اور فرائض سے

ہے یہ دونوں تصدیقیں یکساں نہیں ہیں۔ اس بات کا سمجھنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ ایک انسان کو تصدیق و ایمان کی وجہ سے اس طرح مؤمن کہا جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب میں مؤمن فرماتے۔ اگر وہ فرائض سے آگاہ نہیں ہے تو جاہل بے خبر کہا جائے گا، اس طرح اگر وہ فرائض میں مشغول ہے تو یہی کہا جائے گا کہ فرائض سیکھ رہا ہے نہ کہ یہ کہا جائے گا کہ ایمان و تصدیق سیکھ رہا ہے کیا اس کو معرفت اللہ تعالیٰ اور رسول کے بارے میں جاہل کہنا درست ہوگا؟ کیا اسکی جاہل و نادانی ایک کافر کی نادانی و جاہل کے برابر ہو سکتے ہیں؟ تعلیم فرائض کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

﴿يَبِينُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

اللہ تمہارے لئے سب چیزیں واضح فرما رہے ہیں (مبادا کہ) تم گمراہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں: دوسرا ارشاد ہے۔

﴿فَعَلَتْهَا إِذَا وَانَا مِنَ الضَّالِّينَ﴾

میں نے جب وہ کام کیا اس وقت غلط کام کرنے والوں میں تھا: اگر تم جیسا کوئی بھی انسان کتاب اللہ اور سنت رسول سے اس باب میں کوئی حجت یا دلیل تلاش کرنا چاہے تو کوئی مشکل بات نہیں نہ یہ کوئی ایسی پیچیدہ اور ناقابل فہم بات ہے کیا تم ایک مومن کو مومن ظالم، مومن مذنب، مومن خطی، مومن عاصی، مومن جائز نہیں کہتے، اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا یہ کہ مومن ہدایت ایمانی کی وجہ سے ظلم اور غلط روی میں بھی راہ ہدایت ہی پر رہا۔ یا یہ کہ جس درست بار میں اس سے غلطی ہوئی وہ اس بات سے دور ہوگئی، دیکھو بنی یعقوب نے اپنے باپ یعقوب سے کہا تھا:

﴿إِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ لَكَ الْقَدِيمِ.....﴾

آپ اپنے انہی پرانے اور غلط خیال میں محو ہیں۔

تو کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ان کی مراد کفر تھی ’حاشا وکلا‘ تم عالم قرآن ہوتے ہوئے ایسی بات نہیں کہہ سکتے، تم نے خود دکھا ہے کہ لوگ فرائض سے پہلے اہل تصدیق تھے، تصدیق کے بعد فرائض کا نزول ہوا، اگر یہ بات درست ہے تو جس وقت فرائض کا نزول ہوا اس وقت انہیں مصدق کہا جاتا تھا۔ تمہارے پاس غالباً اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ فرائض کے نزول

سے قبل سے مصدق اللہ تعالیٰ اور رسول کی حیثیت کیا تھی، ان کا دین کیا تھا؟ تمہارے نزدیک ان کا مقام کیا تھا؟ کیونکہ تم کہتے ہو کہ مصدق کہلائے جانے کے واقعی مستحق تو یہ لوگ اعمال کے فرض ہونے کے بعد ہوئے ہیں۔ اگر تم یہ راہ اختیار کرو کہ یہ لوگ مجرد تصدیق باللہ و بالرسول سے مؤمن ہو گئے ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہو گئے تو یہ راہ درست ہے۔ یہی بات میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ کافر تھے تو تم نبی اور قرآن کی مخالفت کرو گے اور حق سے منحرف ہو جاؤ گے اور اگر بالفرض تم نے دریدہ دہن اہل بدعت کی طرح یہ کہا کہ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ مؤمن۔ تو تمہارا یہ کہنا ایک ناروا بدعت اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی صریح مخالفت ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امرالمومنینؓ، کہلائے تھے کیا مومنین سے مراد مطیعین تھے، نیز شام سے جو جماعت امیر معاویہ کے ساتھ تھی حضرت علیؓ ان کو اپنے خطوط میں مؤمن کہتے ہیں۔ پس کہ یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کے رائے کے مطابق برسر حق تھے۔ وہ اسی جماعت سے برسر بھی تھے، صحابہ کرام دو جماعتوں میں بٹ گئے دونوں جماعتیں تیغ بکف ہیں، کیا یہ دونوں جماعتیں برسر حق تھیں؟ نہیں۔ ایک ضرور ہدایت یافتہ اور دوسری ضرور بغاوت پیشہ ہے، اب ان میں سے جو جماعت بغاوت پیشہ ہے اس کے متعلق کیا کہو گے؟ کون نہیں جانتا کہ اہل قبلہ کا سب سے بڑا جرم اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ قتل ہے پھر خاص طور پر صحابہ کرام کا قتل۔ جبکہ یہ دونوں جماعتیں ہدایت یافتہ نہیں ہیں تو تمہارے یہاں ان دونوں کا نام اور مقام کیا ہوگا؟ اگر کہتے ہو کہ دونوں برسر حق ہیں، تو غلط کہتے ہو، اگر کہتے ہو کہ دونوں برسر باطل ہیں، تو غلط کہتے ہو، اگر کہتے ہو کہ صرف ایک برسر حق ہے تو دوسری کے باب میں کیا کہو گے کیا تم صاف طور پر کہہ سکتے ہو کہ وہ برسر باطل ہے، ہاں صرف ایک راہ باقی ہے کہ تم دونوں کے بارے میں علم الہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ اعلم

کہہ دو، اپنے ظن و تخمین کو دخل نہ دو، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں غالباً سمجھ رہے ہو گے۔ میں پوری بات صراحت کے ساتھ کہتا ہوں، کہ اہل قبلہ تمام ہی مؤمن ہیں فرائض میں کسی کوتاہی کے باعث میں ان کو ایمان کی حدوں سے باہر نہیں گردان سکتا۔ جس نے ایمان باللہ کی دولت کے ساتھ پورے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ اللہ کی اطاعت کی وہ اہل جنت ہے، اور جس نے ایمان و عمل دونوں کو ترک کر دیا وہ اہل نار ہے، اور جس کو ایمان کی دولت تو نصیب ہوئی مگر فرائض کی ادائیگی میں کوتاہ رہا وہ مؤمن مذنب (گنہگار مؤمن) ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے، معاف بھی کر سکتے ہیں اور عذاب بھی دے سکتے ہیں اگر معاف فرما دیا تو گناہ کو معاف کر دیا اور اگر عذاب دیا تو گناہ پر عذاب دیا۔ صحابہ کرام کے مابین جس قدر بھی اختلاف پیدا ہو رہے ہیں ہر ایک کے باب میں صرف ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں اللہ اعلم، اہل قبلہ کے بارے میں اوپر جو رائے نقل کی گئی وہ صرف تمہارے خیالات و افکار ہیں ورنہ فقہ و سنت کے محکمین صحابہ کرام کا معاملہ تو وہی تھا جو

میں نے ظاہر کیا وہ اہل قبلہ کے باب میں یہی کچھ کہتے تھے جو میں کہہ رہا ہوں عطاء بن ابی رباح، نافع، سعید بن جبیر، ابن عباس، ان سب حضرات کا یہی ارشاد ہے اور حضرت علی کے ایک خط کا ذکر آچکا ہے جس میں انہوں نے دونوں جماعتوں کو مؤمن کہا ہے، عمر بن عبدالعزیز کے متعلق بھی یہی منقول ہے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ تم سب سے پہلے طریق سنت حاصل کرو اور اہل سنت کے بارے میں پوری معلومات بھم پہنچاؤ۔ رہی مرجئیہ کی بات تو ایک ایسی جماعت کا کیا واقعی قصور ہو سکتا ہے، جس نے ایک درست بات کہی اور اہل بدعت نے انہیں مرجئیہ کا نام دے دیا حالانکہ یہ لوگ اہل عدل اور اہل سنت ہیں، ان کا یہ نام محض بغض و عداوت کی وجہ سے رکھا گیا، میں لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہوں اور لوگ بدعت کی وجہ سے یہ نام دیتے ہیں۔ بھلا جو چیزیں میں نے اہل عدل سے حاصل کی ہیں اس کو کیسے ترک کر سکتا ہوں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا

تو میں ان تمام مسائل کو شرح و بسط کے ساتھ لکھتا جو تم نے پوچھے ہیں، اس کے باوجود اگر اس بدعت کے حیلہ ساز یوں کی وجہ سے کسی چیز میں تمہیں اشکال ہو تو میں اسکو حل کرنے کے لیے تیار ہوں میں ایضاً حق کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا مخلوق خدا کو ہدایت کا سلسلہ جاری رکھو رزقنا اللہ متقبلاً کریمہ، و سلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ والحمد لله رب العالمین وصلى الله على سيدنا محمد وعلى اله وصحبه اجمعين۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۲۹) امام ابو مقاتل

آپ کی باتیں اپنی جگہ بالکل واضح اور عین حق ہیں لیکن مجھے آپ یہ بتائیں کہ

انبیاء کے علاوہ جنتی

اگر ہم انبیاء کے علاوہ کسی کو عبادت گزار، روزہ دار، دیکھیں تو کیا ہم اسکو صحیح معنوں میں جنتی کہہ سکتے ہیں؟ اور وہ کون شخص ہے جس کے بارے میں انبیاء نے جنتی یا جہنمی ہونا ارشاد فرمایا ہے؟

امام ابو حنیفہ

میں کسی کے بارے میں حتمی طور پر جنتی نہیں کہہ سکتا؛ ہاں اگر کسی کے جنتی ہونے کے بارے میں نص موجود ہے اس کو جنتی کہا جائے گا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے، اسی طرح دوزخی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر اس کے جہنمی ہونے کے بارے میں نص موجود ہو تو اس کو جہنمی کہا جائے گا اگر نص موجود نہ ہو مگر اس کا ایمان معلوم ہو تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے گا؛

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۳۰) امام ابو مقاتل

تو پھر آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا فرمائیں گے جنہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ جب مؤمن ارتکاب زان کرتا ہے تو ایمان اس سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح بدن سے قمیض اتار لی جاتی ہے۔ پھر جب توبہ کرتا ہے تو ایمان عود کرتا ہے آپ ان راویوں کے قول کی تصدیق کرتے ہیں یا رٹک رکھتے ہیں۔ اگر آپ نے تصدیق کی تو زمرہ خوارج میں شامل ہوں گے اور اگر رٹک کیا تو تو خوارج کی نجات کا معاملہ پیچیدہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ مؤمن ہیں اور مؤمن کے لیے ار جاء ہے۔ اور اس عدل سے انحراف ہوگا جو آپ نے اوپر بیان کیا، اور اگر آپ نے ان کے قول کی تکذیب کرتے ہیں تو قول نبی کی تکذیب ہے کیونکہ یہ روایت چند راویوں سے آنحضرت تک پہنچ جاتی ہے؟

امام ابو حنیفہ

میں ان لوگوں کی تکذیب کرتا ہوں اور انکے قول کو لغو قرار دیتا ہوں لیکن ان کے بارے میں آنحضور ﷺ کی تکذیب نہیں کرتا (العیاذ باللہ) بلکہ تکذیب تو اس صورت میں ہوگی جب کوئی یہ کہے میں قول رسول کا مکذب ہوں اور جو یہ کہہ رہا ہوں میں آنحضور کی ہر بات پر یقین رکھتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ آنحضور نے کبھی غلط اور قرآن کے خلاف بات نہیں کی، تو اس شخص کا قول آنحضور کی مخالفت قرآن کی تصدیق ہے بلکہ یہ تو آنحضور کو مخالفت قرآن سے بری اور منزعہ ثابت کر رہا ہے اگر نبی نے قرآن کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی بات کہی تو اہلہ تعالیٰ مواخذہ کر لیں گے، ارشاد ہے:-

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَتَاوِيلِ لَا خُذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ أَحَدٌ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ (الحاقة: ۳۶)
اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے ہیں تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے ہیں پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔
نبی علیہ السلام کتاب کی مخالفت نہیں کر سکتے اور کتاب کا مخالف شخص اللہ نبی نہیں ہو سکتا اور یہ روایت قرآن کے مخالف پڑ رہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد اللہ ہے

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي﴾ (النور:)

انا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد

اور ان دونوں سے ایمان کی نفی نہیں کی گئی اور اسی طرح ارشاد ہے:-

﴿وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانَهَا مِنْكُمْ﴾ ()

اور اور جوان سے دو شخص بھی بے حیائی کے کام کریں تم سے تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔ آیت میں لفظ منکم موجود ہے جس سے یہود، یہود و نصاریٰ نہیں بلکہ مسلمان ہی مراد ہیں۔ تو ہر اس شخص کی تردید جو آنحضور کے خلاف قرآن روایت کر رہا ہو ضروری ہے اور اس تردید سے آنحضور کی تکذیب نہیں بلکہ تصدیق ہوتی ہے بلکہ یہ تو اس شخص کی تردید ہے جو آپ سے غلط اور بے فرو پابا بیان کر رہا ہے، تہمت اسی پر آتی ہے نہ کہ آنحضور پر، آنحضور نے جو کچھ ارشاد فرمایا خواہ ہم نے سنایا نہیں سنا وہ بسر و چشم قبول ہے اس پوا ایمان لاتے ہیں اور ساتھ ہی اسکی تصدیق بھی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا کہ اس کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہو اور آنحضور ﷺ نے بھی کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو کتاب اللہ کے خلاف پڑ رہی ہو بلکہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے موافق ہیں۔ کوئی امر ایسا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی بات نہیں گڑھی، آپ اپنی طرف سے بتائیں، بتانے والے نہ تھے۔ ارشاد اللہ ہے ﴿مَنْ يَطْعِ الرِّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۹)

جو شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿مرتب کبیرہ کے اعمال ضائع ہونا﴾

(۳۱) امام ابو مقاتل

تفسیر بہت پسند آئی آپ کا اس شخص کے باب میں کیا خیال ہے جو کہتا ہے کہ شراب خور کی نماز چالیس راتوں یا چالیس دن مقبول نہیں ہوتی اور وہ کیا چیز ہے جس کے باعث نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ۔

جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کے بارے میں جب تک وہ کوئی واضح تشریح نہ کریں، کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل یہی ہے کہ یا تو گناہوں کا مواخذہ کرتے ہیں یا معاف کر دیتے ہیں اور بلا وجہ کسی کا مواخذہ نہیں ہوتا، فرائض کی ادائیگی پر بندہ کے جزا اور گناہ کے ارتکاب پر سزا محسوس ہوتی ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے زکوٰۃ کے پچاس درہم دیے حالانکہ اس پر ساٹھ درہم واجب تھے تو جن کو ادا کر چکا اس کا حساب ہوگا اور جسے ادا نہیں کیا اس پر مواخذہ ہوگا اسی طرح جس شخص نے نماز پڑھی، روزہ رکھا، حج کیا اور ساتھ ہی قاتل بھی ہے، اسکی حسنات کا حساب ہوگا اور سینات کا مواخذہ ہوگا ارشاد ربانی ہے **لہما مکسبت نفس نے جو خیر اور بھلائی کی وہ اسی کے لئے ہے، اسی سے متعلق اور ارشادات ہیں**

﴿انّی لا اضع عمل عامل من ذکر او انثی﴾ (آل عمران: ۱۹۴)

اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہوا کارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

﴿ان لا تضع اجر من احسن عملا﴾ (الکہف: ۲۹)

تو ہم ایسوں کا اجر جو ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے

﴿ولا تجزون ال ما کنتم تعملون﴾ (یس: ۵۳)

اور تم کو انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے

﴿فمن يعمل مثقال ذرة خیرا یرہ ومن يعمل مثقال ذرة شرایرہ﴾

(الزلزال: ۷:۶)

سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر اسکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا وہ اسکو دیکھ لے گا۔

﴿وکل صضیرہ و کبیر مستطر﴾ (القدر: ۵۶)

اور ہر چھوٹی بڑی بات اس میں لکھی ہوتی ہے

﴿و نضع الموازن القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا وان کان مثقال حبة من خثرول اتینا بها و

کفی۔۔۔ حاسبین﴾ (الانبیاء: ۴۶)

اور (ہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے

سو کسی پورا صلاظلم نہیں ہوگا اور (کسی کا) عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو اسکو ہم ظاہر فرما دیں گے ہم حساب لینے والے کافی ہیں

اگر کوئی ان آیات کے بعد بھی شارب خمر کی حسنات کو غیر مقبول سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو ظالم گردانتا ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ظلم

سے مامون کیا ہے ارشاد فرماتے ہیں

﴿فلا تظلم نفس شیئا﴾ (الانبیاء: ۴۶)

سو کسی پر اصلاظلم نہیں ہوگا

﴿ولا تجزون الا ما کنتم تعملون﴾ (یس: ۵۳)

اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

﴿فمن يعمل ذرة خیر یرہ و من يعمل مثقال ذرة شرایرہ﴾ (الزلزال: ۷)

سو وہ شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اسکو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اسکو دیکھ لے گا

اللہ تعالیٰ شکور ہیں حسنت کو قبول کرتے ہیں، ارحم الراحمین ہیں۔

اتنی بات اور سمجھ لو کہ حسنت کو تین چیزوں کے علاوہ کوئی چیز تباہ نہیں کر سکتی ایک تو شرک باللہ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿يَكْفُرُ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے گا تو اس نے اپنا کیا دھرا غارت کر دیا۔

اور دوسری یہ کہ انسان کوئی نیک عمل کرے یا کسی کو آزاد کرے یا کوئی اور صلہ رحمی کرے یا اپنے مال کا صدقہ کرے اور یہ سب صرف خوشنودی الہی کے لئے کیا ہو پھر کسی موقع پر غصہ یا کسی دوسری وجہ سے احسان جتنا تے ہوئے کہنے لگے کیا میں نے تجھے آزاد نہیں کیا اور تیرے کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کی اور اس قسم کی دوسری باتیں کہ گزرے، یہ سب باتیں اعمال تباہ کر دیتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد اللہ ہے

﴿تَبْطَلُوا صَدَقَاتِكُمْ يَا لَمَنَ وَالْاَذٰى﴾ (بقرة ۲۶۲)

تم احسان جتنا لاکر یا ایذا پہونچا کر اپنے خیرات کو برباد مت کرو۔

اور تیسری چیز یہ کہ کوئی عمل صرف دکھاوے کے لئے کرے جو عمل صالح صرف دکھاوے کے لیے ہوا سے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کریں گے ان تینوں کے علاوہ کوئی بھی بری حسنت کو ختم نہیں کر سکتی۔

امام کو کافر کہنے والے

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿کسی مؤمن کو کافر کہنے کا حکم﴾

(۳۳) امام ابو مقاتل

آپ نے بہت انصاف اور عدل کے مطابق گفتگو فرمائی؛

اب یہ بتائیے اگر کوئی شخص آپ کو (نعوذ باللہ) کافر کہے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟

امام ابو حنیفہ

میں اس کو کہوں گا کہ وہ جھوٹا ہے؛ اور اس قول کی وجہ سے میں اسکو جھوٹا ضرور کہوں گا لیکن کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ذمے لازم کی گئی حرمت دو قسم کی ہوا کرتی ہے،

(ایک): اللہ تعالیٰ کی بے حرمتی کی جائے

(دوسرے): اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بندوں کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی تو ہیں تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے احکامات کی تکذیب اور اس کے ساتھ کفر کیا جائے؛

جبکہ بندوں کی تو ہیں یہ ہے کہ آپس میں ظلم و ستم کا بازار گرم رکھیں؛

اور ایسے دو آدمی برابر کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان میں سے میری تکذیب کر رہا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی تکذیب کر رہا ہے کیونکہ اللہ

تعالیٰ اور اسکے رسول کی جو تکذیب کر رہا ہے اسکا جرم و گناہ اس شخص سے سے بھی کئی درجے زیادہ اور سنگین ہے جو ساری انسانیت کی تکذیب

کر رہا ہے؛ اور جو شخص مجھے کافر کہتا ہے تو میں اس کو صرف جھوٹا ہی کہوں گا اس کو کافر کبھی نہیں کہوں گا؛ اور مجھے یہ زیبا نہیں کہ صرف اس وجہ سے کہ

وہ میری تکذیب کرتا ہے میں بھی اس کی تکذیب کرنا شروع ہو جاؤں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ ۤالۡتَعَدُّوۡا اَعْدَٰلُوۡا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾

(المائدہ: ۷)

کسی خاص قوم کی عداوت تم کو اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرنے لگو؛ اور تم عدل کیا کرو کیونکہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خاص قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم راہ عدل کو چھوڑ دو

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿اپنی تکفیر اور دعوئے ایمان کا حکم﴾

(۳۴) امام ابو مقلات

جو کچھ آپ نے بتایا وہ واقعی اہل ایمان کی عمدہ صفات میں سے ہے اور یہ بڑی اچھی بات ہے؛ لیکن آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو اپنے آپ کو کافر کہہ رہا ہو اور اسکو آپ کیا کہیں گے؟

امام ابو حنیفہ

اس کے بارے میں میری رائے تو یہ ہے کہ اس کو اپنے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کہنی چاہئے؛ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو گدھا کہے تو مجھے یہ مناسب نہیں کہ میں اسکو کہوں کہ آپ نے سچ فرمایا؛

ہاں اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی برائت کا اعلان کرتا ہوں؛ یا یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا تو میں اسے کافر کہوں گا چاہے وہ خود اپنے آپ کو مؤمن کہتا ہو؛ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو اور اس کی طرف سے بھی گئی کتب پر ایمان بھی رکھتا ہو اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہو اسے مؤمن کہا جائیگا چاہے وہ اپنے آپ کو کافر ہی کہہ رہا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿دین اور اہل دین سے برات﴾

(۳۵) امام ابو مقلات

آپ نے ایسے واقعی ایسے دیوانے شخص کے بارے میں بہت اچھی بات کہی ہے لیکن اس شخص کے باب میں کیا رائے ہے جو کہ رہا ہے:

میں تمہارے دین اور جس کی تم عبادت کرتے ہو اس سے بری ہوں؟

امام ابو حنیفہ

اگر کوئی شخص یہ بات کہے تو بھی میں جلد بازی نہ کروں گا بلکہ میں اس سے پوچھوں گا کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے بری ہو؛ اگر ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کا اقرار کیا تو وہ کافر یا مشرک کہوں گا

اور اگر اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ؛ اور اس کے رسول اور دین سے بری نہیں ہوں بلکہ تمہارے دین بری ہوں کیونکہ جس دین کی تم اتباع کرتے ہو وہ کفر ہے اور جس کی تم عبادت کرتے ہو اس سے بری ہوں کیونکہ تم کفر پیشہ ہو شیطان کی عبادت کرتے ہو؛ تو بھی میں اسے کافر نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ کہوں گا کہ وہ میری تکذیب کر رہا ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿شیطان کی عبادت﴾

(۳۶) امام ابو مقاتل

واللہ یہ قول تو اہل تقویٰ اور راہ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا ہے ہو سکتا ہے
اچھا آپ مجھے اس بارے میں آگاہ کریں اگر کسی شخص نے شیطان کی اطاعت کی اور شیطانی خواہش کے پیچھے لگا رہا تو کیا وہ کافر یا شیطان کا
پجاری نہیں ہے

امام ابو حنیفہ

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اسکی معصیت کی وجہ سے شیطان کا اطاعت گزار نہیں بن گیا اور نہ
ہی شیطان کی رضا مندی کا طالب بن گیا ہے؛ بلکہ وہ کبھی اس کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا خواہ اس کا عمل شیطان کی رضا اور اطاعت والے اعمال کی
مانند ہو رہا ہو!

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۳۷) امام ابو مقاتل

اب مجھے آپ عبادت کی تفسیر سے آگاہ فرمائیے!

امام ابو حنیفہ

۔۔۔۔۔ عبادت ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں طاعت، رغبت اقرار ربوبیت تینوں چیزیں شامل ہیں
عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب ایمان باللہ کے ساتھ طاعت میں سرگرم عمل ہوتا ہے تو اسکے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوف اور
رجاء دونوں جاگزیں ہوتے ہیں۔ جب طاعت اور خوف و رجاء یہ تین چیزیں کسی انسان میں پیدا ہوں تو سمجھو کہ اس نے عبادت کی۔
رجاء اور خوف کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسا ہوا ہے کہ باہم اہل ایمان میں خوف کی قلت و کثرت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی
شخص نے ثواب کی امید رکھتے ہوئے یا عقاب سے ڈرتے ہوئے کسی کی بھی عبادت کی تو اس نے واقعہ عبادت کی، اور اگر عبادت صرف طاعت کا
نام ہوتا تو ہر شخص کی اطاعت عبادت بن جاتی حالانکہ واقعہ یہ نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۳۷) امام ابو مقاتل

آپ کیا ہی اچھی بات کہی۔ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو کسی چیز سے ڈر کے یا کسی منفعت کی امید رکھے کیا وہ کافر ہے؟

امام ابو حنیفہ

ارجاء اور خوف کے دو مرتبے ہیں ایک تو یہ کہ کسی شخص سے منفعت کی امید رکھے یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی نقصان رسانی سے ڈرے تو وہ کافر
ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی شخص ار جاء یا خوف اس بارے میں رکھتا ہے کہا اللہ تعالیٰ؛ کسی خیر یا گزند کو اسکے ہاتھوں پہنچائیں تو وہ کافر نہیں کیونکہ والد اپنے بیٹے بھلائی کی توقع رکھتا ہے اور انسان اپنے جانور پر سواری کی امید رکھتا ہے اور پڑوسی اپنے پڑوسی سے ہسان کی توقع رکھتا ہے اور سلطان سے دفع شر کی امید باندھے ہوئے ہے تو وہ کافر نہیں ہے، کیونکہ اسکی حقیقی رجاء اللہ تعالیٰ؛ سے ہے کہا اللہ تعالیٰ؛ باپ کو بیٹے سے پڑوسی کو پڑوسی سے نفع پہنچائیگا تو وہ کافر کیونکر کہا جاسکتا ہے۔۔۔ اور کبھی شر اور بلا سے ڈرتا ہے کہیں خداوند عز وجل اسکو بلا میں مبتلا نہ کر دیں۔ اور قیاس اس بارے میں موسیٰ علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ؛ نے رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے کلام سے نواز اور اس شان کے ساتھ موسیٰ اور اللہ تعالیٰ؛ کے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی، اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

﴿فَاخَانِ انْ يَقْتُلُونَ﴾ (القصص: ۳۲)

سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں اول ہی دہلے میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ سے غار چور میں چلے گئے تھے، اسی طرح انسان درندے اور سانپ، بچھو یا گھر گرنے یا سیل یا نقصان دہ کھانے سے ڈرتا ہے تو اسکی وجہ سے وہ کفر پیشہ تو نہیں اور نہ ہی اس بارے میں شک کیا جاسکتا ہے۔ ہاں ایسا شخص بز دل ضرور ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۳۸) امام ابو مقاتل

آپ کا سامسلمان کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس مخوق سے اللہ تعالیٰ؛ سے زیادہ ڈرتا ہے، کچھ تفصیل بیان فرمائیں۔

امام ابو حنیفہ

ایسی کوئی چیز نہیں جو مسلمان کو اللہ تعالیٰ؛ سے زیادہ ڈرنے پر مضبور کر دے کیونکہ جب مسلمان بیمار ہوتا ہے یا کسی بے انتہا پریشان کن مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو خلوت یا جلوت میں یہ نہیں کہتا کہ اے اللہ تعالیٰ؛ یہ تو نے بہت برا کیا بلکہ اور زیادہ ہاں اللہ تعالیٰ؛ ک و یاد کرتا ہے اور اگر اس مصیبت کا عشر عشر بھی کسی بادشاہ کی طرف سے پہنچ جاتا ہے تو یہ اس بادشاہ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتا ہے، اس کا ظلم دل میں بھی محسوس کرتا ہے اور اپنے معتمد لوگوں سے بھی کہتا پھرتا ہے تاکہ بادشاہ تک بات نہ پہنچے پائے۔

مؤمن تو خلوت جلوت میں سردی اور گرمی میں اللہ تعالیٰ؛ سے مراقب ہوتا ہے لیکن بادشاہ دنیاوی جلوت یا خلوت میں مراقب نہیں ہوتا۔ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ سردرات میں جب مختلم ہو جاتا ہے تو صبح ہی اٹھ کر اللہ تعالیٰ؛ سے ڈرتے ہوئے غسل کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، گرمی میں روزہ رکھتا ہے اور جب اس شدید گرمی سے پیاس سے مجبور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ؛ کی بارگاہ میں مراقب کرتا ہے، صبر کرتا ہے اور خوف سے گھبراتا نہیں۔۔۔ اور جب تک کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں ہوتا ہے اس وقت تک ڈرتا رہتا ہے اور جن اسکی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے تو گالیاں دیتا ہے ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مؤمن کسی بھی چیز سے اللہ تعالیٰ؛ سے زیادہ نہیں ڈرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۳۹) امام ابو مقاتل

آپ نے تو ایسی دلیل پیش کی جس کا ہمیں خوب تجربہ ہے، اب مجھے بتائیں کی ایمان اور کفر دونوں سے ناواقفیت کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ

انسان اللہ تعالیٰ کی تصدیق اور اسکی معرفت سے مؤمن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انکار سے کافر ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور وحدانیت اور جو کچھ اس نے بھیجا ہے اسکی تصدیق اور اقرار کیا اسکے باوجود وہ کفر یا ایمان کو نہیں جانتا لیکن ایمان کو خیر اور کفر کو شر سمجھتا ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

جیسے ایک شخص کے پاس شہد اور ایلو الایا گیا اس نے دونوں کو چھنے کے بعد بتایا کہ یہ شیریں ہے اور یہ تلخ ہے لیکن ان دونوں کے نام سے ناواقف ہے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ متحاس اور تلخی سے ناواقف ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شہد اور ایلو کے نام سے ناواقف ہے۔ اسی طرح اس شخص کو جو کفر اور ایمان کے ناموں سے جاہل ہے لیکن یہ سمجھتا ہے کہ کفر باعث شر ہے اور ایمان باعث خیر ہے تو اسے جاہل باللہ نہیں کہیں گے، ہاں اسکو ایمان اور کفر سے بے خبر ضرور کہیں گے لیکن کافر نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۴۰) امام ابو مقاتل:-

اگر مؤمن معذب ہو تو کیا اس کا ایمان نفع بخش ہوگا، اور کیا وہ ایمان کے بعد معذب ہو سکے گا؟

امام ابو حنیفہ:-

اب کے تم نے ایسا مسئلہ پوچھا ہے جو گذشتہ مسائل کی طرح نہیں ہے، خیر۔

سنو! تمھاری بات کہ مؤمن معذب کو ایمان نفع بخش ہوگا۔۔۔ ہاں نفع بخش ہوگا کیونکہ اس سے سخت ترین عذاب اٹھالیا جائے گا، کیونکہ اذو عذاب تو کافروں پر ان کے گناہ عظیم کی وجہ سے ہوگا اور اس مؤمن نے کفر نہیں بلکہ بعض اوامر میں نافرمانی کی ہے اسی عمل کے مطابق سزاوار ہوگا اور جو نہیں کیا اس پر معذب نہیں ہوگا۔ اس آدمی کی طرح جس نے قتل کیا چوری نہیں کی تو اس پ سے صرف قتل کا مواخذہ ہوگا۔ ارشاد ہے۔

﴿ولا تجزون الا ما كنتم تعلمون﴾ (یس: ۵۳)

اور تم کو بس انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

مرتب کا مرض جب ہلکا ہوتا ہے تو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ اور جو شخص دنیا میں معذب ہو جاتا ہے آخرت میں اس سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے، اسی طرح ایک قسم کے عذاب سے کم اور دو قسم کے عذاب سے زیادہ تکلیف ہوئی، ایسے ہی مؤمن جب ایک گناہ کریگا تو اس کا عذاب دو گنا ہوں کے عذاب سے ہلکا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۴۱) امام ابو مقاتل:-

آپ نے بالکل انصاف کی بات بتائی اب آپ یہ بتائیں کہ کفار کا کفر مختلف عبادتوں کے باوجود ایک کیسے ہوگا اسی طرح اہل ایمان کا ایمان اور جو بھی اہل زمین میں ایمان لایا ان کا ایمان ایک کیسے ہوگا حالانکہ آپس میں بالکل مختلف ہیں کیونکہ ملائکہ کے فرائض ہم سے الگ رہیں اور ہمارے فرائض اور اولین مومنین نے فرائض میں باہم اختلاف ہے؟

امام ابو حنیفہ:-

اہل سماء اور اولین مومنین اور ہمارا ایمان بالکل ایک ہے کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور اولین مومنین کی تصدیق کی۔ اسی طرح کفار کا کفر اور انکار باوجود اختلاف عبادت کے ایک ہے کیونکہ اگر تم یہودی سے پوچھو کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو تو وہ کہے گا کہ وہ عزیر ابن اللہ تعالیٰ ہیں جیسے ہیں اور جو شخص ان صفات کے ساتھ متصف ہو وہ مؤمن نہیں جب تم نصرانی سے پوچھو گے کہ تم کس کی عبادت کرتے ہیں جوابا کہے گا کہ اللہ تعالیٰ؛ اور سب اللہ تعالیٰ کی حقیقت معلوم کرو گے تو کہے گا کہ وہ جد عیسیٰ اور یطین مریم ہیں گویا العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ جنین بھی بن سکتا ہے کوئی چیز اس کا۔۔۔ بھی کر سکتی ہے وہ کسی چیز میں داخل بھی ہو سکتا ہے تو بھلا یہ کیسے کر مسلمان ہوگا۔

اسی طرح جب مجوسی سے پوچھو گے تو ہاں اللہ تعالیٰ؛ کی حقیقت یہ بتائے گا کہ اس شریک و سہم ہیں، بیٹے ہیں، زوجہ ہے، کیا تم اسکو مؤمن کہہ سکو گے انہیں جو بات کی بنا پر انکار کفر ایک ہی ہیں ہاں صفات اور عبادات مختلف ہیں اسکی مثال یوں سمجھو تین آدمی ہیں ان میں سے ایک نے کہا میرے پاس ایک ایسا سفید موتی ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ہے پھر اسکو ایک سیاہ انگور کا دانہ نکالا اور قسم کھا کر کہا یہ موتی ہے اور اس بارے میں دوسروں سے جھگڑنے لگا، دوسرے نے کہا کہ میرے پاس اتنا بڑا موتی ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ پھر ایک سیب نکالا اور دوسروں سے جھگڑنے لگا کہ یہ موتی ہے! تیسرا بولا میرے پاس اس تو ایک دریتیم ہے، پھر ایک پتھر کا ٹکڑا نکالا اور اس پر قسم کھا کر دوسروں سے جھگڑنے لگا کہ یہی دریتیم ہے۔ یہ سب موتی سے ناواقف ہیں اور جہالت میں برابر ہیں لیکن اقوال و صفات مختلف ہیں۔ اس سے پہچان سکتے ہو کہ تم ان کے موصوف ان کے معبود کی عبادت نہیں کرو گے کیونکہ وہ دو اور تین کو موصوف ٹھہراتے ہیں اور اسکی عبادت کرتے ہیں۔ اور تم صرف ایک معبود کو جاتے ہو۔۔۔ تو تمہارا معبود اور انکا معبود مختلف ہیں اسی وجہ سے ارشاد اللہ تعالیٰ؛ ہے:-

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾

آپ (ان کافروں) سے کہ دیجیے کہ اے (کافرو) میرا اور تمہارا طریقہ واحد نہیں ہو سکتا (اور) نہ (تو فی الحال میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۴۲) امام ابو مفضل:-

جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا پوری طرح سمجھ میں آگیا۔

اب یہ بتائیں کہ یہ لوگ رب سے ناواقفیت کے باوجود کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ؛ ہمارے رب ہیں ایسا کیوں؟

امام ابو حنیفہ:-

بے شک وہ ایسا کہتے ہیں لیکن انہیں رب کی معرفت نہیں۔ ارشاد ہے

﴿وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ تَعَالَى تَعَالَى قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (لقمان: ۲۴)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ سمانوں و زمیں کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ کہیں کہ الحمد للہ بلکہ ان میں کچھ نہیں جانتے

اللہ تعالیٰ؛ نے فرمایا اکثر لوگ جاتے نہیں بلکہ اس بچہ کی طرح میں جسے ماں نے اندھا جنا اور رات۔ دن۔ سرخ، زردی، کا ذکر کرتا لیکن جانتا نہیں۔ اسی طرح کفار کہ انھوں نے مومنین سے اللہ تعالیٰ کا نام سن لیا پھر سنی سنائی کہتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾
(النحل: ۱۰)

تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انکے دل (معقول بات سے) منکر ہو رہے ہیں اور وہ (قبول حق) سے تکبر کرتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۴۳) امام ابو مقاتل:-

بالکل صحیح فرمایا، آپ یہ بتائیں کہ رسول اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے پہچانتے ہیں تو وہ کیسے؟ رسول تو وحید کی دعوت دیتا ہے۔ مگر الہام ربائی اور تقاضائے فطرت کے بغیر کسی کو کیا معلوم کہ کون رسول ہے۔ یعنی لوگوں کو رسول کا رسول ہونا امر ربانی ہے اس لئے ہم رسول کو خدائے ذوالجلال کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ بنا بریں ارشاد حق ہے۔ اگر معرفت اللہ تعالیٰ کا انحصار رسول پر ہوتا اور یہ سب اسی کے باعث ہوتا تو لوگوں پر رسول کا احسان ہوتا کیونکہ اس کی وجہ سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ معفت ربوبیت کے باعث رسول پر احسان اللہ تعالیٰ؛ وندی ہے اور انسانوں پر بھی کہ اس نے رسول بھیج کر لوگوں کی معرفت کا سامان کر دیا بلکہ ہم تو یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ خیر کا کوئی بھی عنوان ہو کوئی بھی پیرا یہ ہو وہ صرف عطیہ و مرحمت خداوندی ہے اور کچھ نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿انك لا تهدي من احببت الكن الله تعالى تعالى يهدي من يشئ﴾ (القصص: ۵۵)

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ؛ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۴۴) امام ابو مقاتل:-

آپ میرے بہت بڑے اضطراب کو دور کر دیا۔

اور یہ بتائیں کہ ولایت اور برائت کیا ہیں؟ اور کیا دونوں ایک وقت میں ایک انسان میں جمع ہو سکتی ہیں کہ نہیں؟

امام ابو حنیفہ:-

ولایت: اچھے عمل پر رضا مندی کا نام ہے اور برائت برائی پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے؛ اور یہ دونوں باتیں کبھی بعض انسانوں میں بیک وقت پائی جاتی ہیں اور کبھی نہیں پائی جاتیں،

اور وہ شخص جس میں یہ دونوں باتیں یک بارگی جمع ہو جاتی ہیں وہ ایک ایسا مؤمن بندہ ہے مؤمن ہونے کے باوجود اچھے اور برے دونوں طرح کے کام کرتا ہے؛ اب اگر تو مؤمن بندے کو نیک کام کرتا ہوا دیکھے تو تم اس سے اشتراک عمل موافقت مقصد اور محبت سبھی کچھ کرتے ہو؛ اور اگر اتفاقاً اس سے برائی سرزد ہوتی ہے تو تم اس برائی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہو اسکی مخالفت کرتے ہو اور اس سے ناپسندیدگی اختیار کرتے ہو،

خود دیکھو کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص کے اندر ولایت، برائت دونوں موجود ہیں ایک وہ شخص جو کفر پیشہ ہے جس میں صالحات کا کوئی امکان نہیں تم اسکو ناپسند کرتے ہو۔ بالکل جدائی اختیار کر لیتے ہو۔ اسکے برعکس ایک مؤمن ہے جو سرتا بقدم خیر ہی خیر ہے تم اسکو اپنا جاتے ہو

اس سے محبت کرتے ہو اسکی بات سمجھیں ناپسند نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



(۴۶) امام ابو مقاتل:-

جزاك الله اب نے کتنی اچھی تفسیر فرمائی۔

اب اب مجھے صرف ایک مسئلہ بتا دیں کہ: ”کفران نعمت“ کا کیا مطلب ہے؟

امام ابو حنیفہ:-

کفران نعمت یہی ہے کہ انسان خدا کی نعمتوں کا اس طریقے سے انکار کرے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں ہے؛ تو وہاں اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والا ہے کیونکہ جس نیا اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہوئے کفر کیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمْ كَافِرُونَ﴾ (النحل: ۸۳)

وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جانتے ہیں اور پھر اس سے انکار کرتے ہیں اور اکثر اس قسم کے لوگ کافر ہیں؛

تو اس لحاظ سے کافر لوگ جانتے ہوئے کہ رات، رات ہے اور دن دن ہے اور اسی طرح صحت اور غنی کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں؛ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ ہر قسم کی وسعت اور کشادگی اور آرام و سکون اللہ تعالیٰ؛ یعنی کی جانب سے ملی ہوئی خیر اور نعمتیں ہیں لیکن ان نعمتوں کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی بجائے اپنے معبودان باطلہ کی طرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جن نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمْ كَافِرُونَ﴾ (النحل: ۸۳)

یعنی یہ کافر لوگ اس بات کا انکار کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانیں جو اکیلا اور واحد لا شریک اور اس کی مثل کوئی اور ہستی نہیں ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (النحل: ۸۳)

اس کے مثل کوئی نہیں اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے؛ اور ہر ایک چیز پر اسی کو قدرت کاملہ حاصل ہے اور تمام کام اسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور تھے آپکے پوچھے گئے سوالات کے جوابات اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے دئے گئے ہیں اور ہر معاملے میں وہ ہمیں کافی اور ہمارا بہترین کارساز ہے؛

☆☆☆☆☆☆☆☆

والله المستعان وحسبنا الله ونعم الوكيل

وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

تم الكتاب ولله الحمد

کتاب الوصیۃ

امام اعظم ابوحنیفہ

نعمان بن ثابت الکوفی

۸۰ھ (---) ۱۵۰ھ

ترجمہ

رشید احمد العلوی

کلمات مترجم:

الحمد لله نعمده والصلوة والسلام على رسوله ودينه المغفرة والعلی الدرجات فی العلی العلیین
لہاجدہ: وصیت نامہ لکھنے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اور تمام پیش رواپنے پسماندگان کے لئے، لائحہ عمل، وصیت کی شکل میں تحریر فرماتے جو آنے والے لوگوں کے لئے ایک عمدہ زندگی گزارنے کا ضابطہ ہوتا تھا۔ انبیاء کرام بھی وصیتیں فرماتے رہے اور اولیاء و اتقیاء بھی اسی موضوع پر ارشادات عالیہ سے اپنے متوسلین کو نوازتے رہے۔ زیر نظر کتاب الوصیۃ امام الائمہ سراج الائمہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی کا وصیت نامہ ہے، اگرچہ امام اعظم نے اپنی زندگی میں اور بھی وصیت نامے مختلف افراد کے نام تحریر فرمائے تھے، مگر ان میں سب سے زیادہ جامعیت اور وسعت زیر نظر وصیت نامہ کو حاصل ہے، وصیت نامے کا موضوع: علم عقائد اور اس کے اولین مخاطب امام صاحب کے زمانے ہم عصر لوگ، ایمان میں شریک بھائی، رہتی دنیا تک آنے والے انسان ہیں۔ وصیت نامے پر عمل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ: جو شخص اپنے عقائد کی اصلاح، اور اپنے اندر اس سے مطابقت پیدا کرے گا تو وہ قیامت کے روز رسول ﷺ کی شفاعت کا حق دار ہوگا۔

علم عقائد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہونے کے ساتھ تمام ادوار کے ائمہ دین اس موضوع پر ہمیشہ اپنی اراء سے بھی نوازتے رہے؛ جیسا کہ شیخ ملا علی القاری شرح فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: الاتری ان الشیطان اذا اراد ان یسلب ایمان العبد برہ فانہ لایسلبہ منہ الا بالقائد الباطلۃ فی قلبہ؛ یعنی کیا آپ نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ شیطان جب کسی شخص کے دل سے ایمان ختم کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ کار یہ اختیار کرتا ہے کہ اس کے دل میں عقائد باطلہ القاء کرتا ہے اور وہ شخص باطل عقائد اختیار کر کے گمراہ ہو جاتا ہے؛ مگر امام اعظم نے علم عقائد پر صرف چند فرمان صادر نہیں فرمائے بلکہ مجموعی طور پر پانچ کتابیں تصنیف فرمائیں تھیں

۱: الفقه الاکبر: حضرت صاحب کی تصنیف کردہ یہ چھوٹی سی کتاب اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے؛ اور علم عقائد کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں اس کا پہلا نمبر ہے، اور بقول امام بزدوی: امام صاحب سب سے پہلے متکلم ہیں؛ اور اہل السنّت والجماعت میں سب سے پہلے متکلم جنہوں نے علم عقائد کے موضوع پر باطل فتنوں کے خلاف مناظرے اور مجادلے اور مباحثوں کے ذریعے سرکوبی کی تھی؛ اور اس کتاب کی تصنیف کے ذریعے امت کی رہنمائی کے لئے سب سے پہلی بنیاد رکھی کہ اس کتاب کے بعد فن علم عقائد سیکھنے کی ایک ایسی بنیاد پڑی جو امت کے لئے سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گئی؛

امام صاحب کے مختلف شاگردوں نے اس کتاب کا مطالعہ فرمایا اور اس کتاب میں مذکور مضامین پر امام صاحب سے سوال و جواب کئے اور انکو مرتب فرمادیا؛ الفقه الاوسط میں ان سوال و جواب کو امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ الہللی نے جمع کیا؛ اور امام ابو مقاتل حفص بن سلم نے اپنے سوال و جواب کو العالم والمتعلم کے نام سے جمع کیا؛ اور اس طرح امام صاحب کے فرامین ان دو کتابوں میں یک جا ہو کر منظر عام پر آ گئے؛ اور ان میں اول الذکر مصر بیروت اور شام سے علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہیں؛ اور پاکستان میں مفتی محمد عیسیٰ کے مقدمہ اور مفتی عبید اللہ العلوی کی تحقیق سے مجلس علمی نے اس کو شائع کیا ہے؛ اور ثانی الذکر شام سے اور بیروت سے متعدد بار شائع ہوئی مگر اس کا عربی متن پاکستان سے شائع ہونا میرے علم میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ تینوں کتابیں دنیا کے مختلف ممالک میں مطبوعہ شکل میں موجود اور متعدد اول ہیں؛ اور علم عقائد میں بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں:

امام صاحب نے فن مجادلہ پر بنام (الرسالہ فی رد علی القدریہ) ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا؛ جو تا حال غیر مطبوعہ ہے؛ اگرچہ بعض ائمہ اس کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ الفقه الاوسط کا ہی دوسرا نام ہے؛ مگر یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ الفقه الاوسط کا موضوع الفقه الاکبر کے مضامین اور مسائل پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تشریح و توضیح ہے؛ اور اس میں اس زمانے کے معروف فرقے جبریہ، قدریہ، اور شیعہ، کا ضمناً رد کیا گیا، اور ان کے مفروضات باطلہ کا جواب دیا گیا ہے، جبکہ اس رسالہ کا موضوع اس زمانے کے معروف فرقے قدریہ کا رد کیا گیا؛ یقیناً امام صاحب سے اس فرقے کے رد پر الگ رسالہ تحریر فرمایا ہوگا اور اسی کا نام الرسالہ فی رد علی القدریہ؛

اس موضوع کی پانچویں کتاب: جو حضرت کی آخری تصنیف ہے وہ کتاب الوصیت ہے جو اپنے مرض الموت میں املاء کروائی تھی؛ یہ آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے؛ اگرچہ اس کتاب کو ملا علی القاری نے اپنی کتاب شرح الفقه الاکبر میں مکمل طور پر تحریر فرمادیا ہے؛ اور بعض ائمہ نے اس کی شروحات بھی لکھیں اور صاحب درالناصحین نے اس کا مکمل فارسی ترجمہ اپنی کتاب میں نقل فرمایا تھا؛ مگر ضرورت اس بات کی تھی کہ اردو دان طبقہ

کے لئے اس کا ایک سلیس اردو ترجمہ بمع ضروری توضیحات (note) کیا جائے؛ اور عربی متن کی تشریح اور توضیح علماء کے طبقہ کے لئے مرتب کی جائے؛ الحمد للہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے والد محترم مولانا عبدالحی (المتوفی: ۱۹۹۶) اور جد مکرّم امام عبدالعزیز محدث سہالوی (المتوفی: ۱۹۴۰ء) کی طرف سے ملے وراثتی علمی ذوق اور حضرت شاہ نفیس الحسینی کی خصوصی توجہات سے یہ کام آسان فرمادیا۔

فَللّٰهُ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا

مقدمہ مصنف:

تمام تعریفیں اس ذات باری والا صفات کے لئے مخصوص ہیں جس نے ہمارے دلوں کو ایمان کے نور سے مزین فرمایا؛ اور اس کی تمام رحمتیں رسول اکرم ﷺ کے لئے ہوں جو نبوت اور رسالت کے منصب کے ساتھ ساری انسانیت اور جنت کی طرف مبعوث فرمائے گئے؛ اور آپ کی پاکیزہ آل؛ اور برگزیدہ اصحاب کرام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرداری کے منصب پر فائز کئے گئے؛ اور صبح قیامت تک ان پاک باز ہستیوں کی اتباع کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بہرہ یاب ہوں

وصیت نامہ کی اہمیت

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری بیماری میں تمام احباب اور شاگردوں کو اپنے قریب بلا کر فرمایا: اے میرے ساتھیو! اور بھائیو! اللہ تعالیٰ ہر اچھے کام میں تمہاری مدد اور موافقت کرے؛ جان لو! کہ فلسفہ الہیات اور علم عقائد میں طبقہ اہل السنّت والجماعت کا رکن شمار کئے جانے کے لئے بارہ (۱۲) خصلتیں یا بارہ نشانیاں ہیں۔ اور جو شخص ان عادات اور خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کرے گا اور پھر ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے گا وہ کبھی اہل بدعت میں سے اور نہ ہی طبقہ ہواؤ ہوس میں سے ہو سکتا ہے۔ اور میرے دوستو! اور بھائیو! تم لازمی طور پر ان عادات کو اختیار کرو تا کہ قیامت کے روز نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے حصہ دار بن سکو؛ اور دنیا میں اللہ کی مدد اور نصرت کی ہوئی جماعت اہل السنّت والجماعت میں شامل ہو جاؤ۔

﴿پہلی خصلت﴾

ایمان کی حقیقت اور اس کے ارکان

ان میں پہلی خصلت یہ ہے کہ: زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے۔ کیونکہ صرف زبان سے اقرار کرنا ایمان نہیں ہو سکتا اگر یہ ایمان ہو تو سارے منافق بھی مؤمن بن جائیں گے کیونکہ وہ زبان سے اقرار تو کرتے ہیں مگر انکی تصدیق قلبی نہیں ہے۔ اسی طرح اکیلی معرفت اور دل سے تصدیق بھی ایمان نہیں ہو سکتی، اگر اس کو ایمان مانا جائے تو سارے اہل کتاب مؤمن بن جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے جماعت منافقین کے بارہ میں ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ؛ یعنی اے نبی ﷺ جب آپ کے پاس آکر منافق اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ ہیں؛ تو انکے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اے نبی ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں منافق اپنے ایمان دار ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اس وجہ سے کہ: وہ زبان سے اقرار تو کرتے ہیں مگر دل سے تصدیق نہیں کرتے۔ اور اہل کتاب کی حقیقت یہ ہے: وہ نبی کو اسی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو جانتا اور پہچانتا ہوں مگر زبان سے اقرار نہ کرنے کی وجہ سے ان کے ایمان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حقیقت اور قدر قیمت نہیں ہے؛

ایمان میں کمی اور زیادتی

اور ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان کی زیادتی اس وقت تک تصور نہیں کی جاسکتی جب تک کفر میں کمی نہ ہو؛ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں سچا مؤمن اور سچا کافر بھی ہو کیونکہ ایمان اور کفر کی کمی کوئی مادی چیز نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک کیفی چیز ہے؛ لہذا اس میں کمی اور زیادتی کا گمان ہی محال ہے؛ کیونکہ ایمان میں کمی اور زیادتی کمیت اور مادیت کی صفت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ کسی کیفیت سے۔

ایمان میں شک کرنے اور معاصی کا حکم

اور ہر مؤمن سچا مؤمن ہے اور ہر کافر پکا کافر ہے؛ جیسے مؤمن کے ایمان میں شک نہیں اسی طرح کافر کے کفر میں شک نہ ہو گا؛ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلَوْ أَنَّ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا؛ یعنی یہی لوگ سچے مؤمن ہیں؛ اور کافروں کے بارہ میں ارشاد فرمایا:

اولئك هم الكافرون حقا؛ یہی لوگ سچے کافر ہیں؛ اور معلوم ہونا چاہیے کہ اُمّتِ محمدیہ کے وہ لوگ جو توحید باری تعالیٰ کے قائل ہیں گناہ گار ہونے کے باوجود یہ لوگ مؤمن ہیں کافر ہرگز نہیں ہیں؛

﴿دوسری خصلت﴾

ایمان اور عمل کا تعلق:

اور معلوم ہونا چاہئے کہ عمل علیحدہ اور ایمان علیحدہ چیز ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ: اکثر اوقات کسی مؤمن کو عمل کی معافی دے دی جاتی ہے؛ یعنی جب یہ شخص کسی عذر میں مبتلا ہو جائے تو اسکے عذر کی وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ اسکو عمل معاف ہے مگر ایمان کے معاف ہونے اور ذمے سے ساقط ہونے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں حال میں ایمان چھوڑ دیا جائے؛

مثال کے طور پر: حائضہ اور مدت نفاس میں مبتلاء عورت کو نماز معاف کر دی جاتی ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اس پر ایمان بھی لازم نہیں رہا؛ یا اس کو ایمان چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا ہے؛ اور اسی طرح صاحب شریعت نے حائضہ اور نفاس والی عورت کو روزہ چھوڑنے کا حکم تو دیا ہے اور بعد میں اس کی قضاء تجویز کی ہے؛ لیکن اس کو یوں نہیں کہا جائے گا کہ ایام ماہواری میں ایمان چھوڑ دے اور بعد میں اس کی قضاء کر لے؛ اور اسی طرح غریب آدمی پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے اس صورت میں یوں تو کہا جاسکتا ہے کہ: غریب آدمی پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ: غریب آدمی پر ایمان بھی لازم نہیں ہے؛

﴿تیسری خصلت﴾

اچھی اور بری تقدیر کا حکم

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ یعنی اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے سب کچھ (خیر اور شر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ اور جو شخص خیر یا شر کے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہونے کا قائل ہو؛ اور کہے کہ اچھی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بری اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے ہے یا اس کے الٹ کہے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا؛ اور اس کا عقیدہ توحید باطل اور ایمان زائل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل اور اس پر ایمان کا حامل ہو۔

اعمال کی تین قسمیں ہیں

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انسان سے صادر ہونیوالے تمام اعمال تین طرح کے ہیں:

۱: فرائض ۲: فضائل ۳: معاصی

۱: فرائض سے مراد، انسان کے ذمہ وہ عمل ہے جسکا ادا کرنا لازم ہے؛ اور انکا بندے کے ذمے لازم ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم اس کی مشیت، اور اسکی محبت، اسکی رضا، فیصلے اور اسکی تقدیر؛ اور اسکے ارادے، توفیق اور اسکی تخلیق؛ اسی کے حکم، علم، اور لوح محفوظ میں لکھے جانے کی وجہ سے ہے اور جو اعمال اس صورت میں معرض وجود میں آئیں وہ فرائض کا درجہ رکھتے ہیں۔

۲: فضائل میں وہ اعمال ہیں جو اللہ کے حکم نہیں بلکہ انکی بجا آوری اللہ تعالیٰ کی چاہت؛ اور مشیت؛ اسی کی محبت، فیصلے؛ اور اسکی قضاء؛ اسکی رضا اس کی طرف سے مقدر کئے جانے اور اس کی توفیق، تخلیق اور اسکے ارادے اور حکمت؛ اور اللہ تعالیٰ کے علم کامل اور لوح محفوظ میں لکھے ہونے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں؛ لہذا: ہم لوح محفوظ اور قلم پر؛ اور ان دونوں کے ساتھ جو کچھ ظاہر ہوا اور لکھا گیا ان سب پر ایمان لاتے ہیں؛

نوٹ: قلم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے؛ جس میں اللہ تعالیٰ نے ضروری علوم کے لکھنے کی استعداد کو پیدا کر دیا تھا؛ اس کی حقیقت ملائکہ کی طرح ایک جسم نورانی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے علم اور قوت اور ادراک اور فہم واستفہام کی استعداد رکھ دی تھی؛ اور اللہ تعالیٰ نے اسی استعداد کے ساتھ قلم کو سب سے پہلے پیدا فرمایا؛ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

القَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اُكْتُبْ! فقال ماذا اُكْتُبُ يا ربی؟ فقال الله تبارك و تعالیٰ: اُكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ؛ اُخْرِجْهُ الترمذی: ۲۰۸۱؛ وفی روایۃ (فكتب القلم) من استسلم بقضائی، ویصبر علی بلائی، ویشكر علی نعمائی کتبتہ وبعثتہ صدیقین یقیناً؛ ومن لم یرض بقضائی، ولم یصبر علی بلائی، ولم یشكر علی نعمائی ولیخرج من ارضی وسمائی، ولیتخذ ربّاً سوائی؛ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا؛ اور اسکو لکھنے کا حکم دیا؛ اس نے پوچھا اے اللہ! میں کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا قیامت تک جو کچھ بھی واقع ہونے والا ہے وہ سب لکھ دے؛ (اور ایک روایت میں ہے) جو میری قضاء و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، میری طرف سے وارد ہونے والی مصیبتوں پر صبر کرے، اور میری نعمتوں پر شکر کرتا ہے، ان کے بارے میں سچے صدیقین میں سے ہونے کا فیصلہ کرتا ہوں اور لکتا ہوں، اور جو میری قضا و قدر پر راضی نہیں ہوتا میری طرف سے وارد ہونے والی بلاؤں پر صبر نہیں کرتا، اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا، اس کو چاہے کہ میرے آسمان وزمین میں سے نکل جائے، اور میرے علاوہ کسی اور کو اپنا رب بنالے؛ اور قلم نے لوح محفوظ میں سب کچھ ان کی ذات اور صفات سمیت لکھ دیا؛

لکھائی: لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ نہ تو انسانی تحریر کی مانند تھا؛ اور نہ عددی انداز میں تھا اور نہ ہی وہ کوئی خفیہ اشاروں (secret code) میں تھا جیسے آجکل کمپیوٹر کام کرتا ہے؛ اور نہ ہی کوئی اور ایسا طریقہ تحریر تھا جو ہزاروں سال قبل یا ہزاروں برس بعد کے انسان استعمال کرتے یا کر سکتے ہیں یا کریں گے؛

لوح محفوظ: لوح محفوظ بھی اسی طرح اللہ کی نورانی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے؛ اس میں بذات خود کوئی صلاحیت نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی نہ ہو سکنے والی بات کر دیں؛ یا نہ ہونے والا کام کر دیں؛ یہ بات اس کے اختیار کی حدود میں نہیں اور نہ ہی اس کی طاقت میں ہے؛ بس اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو ان پر جاری و ساری اور حاوی ہوئی اور ہوتی رہتی ہے؛

ایک بات بڑی واضح ہے کہ: قلم کو دنیا میں انسان کے بنائے ہوئے قلم کی مانند اور لوح کو انسانی الواح یا note book کی مانند نہ سمجھنا چاہئے بلکہ وہ ان سے یا ان کی مثل بننے یا ہونے سے بھی پاک ہے؛ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا اور جو حکم فرمایا وہ اسی کے حکم کی تعمیل میں لگے ہوئے ہیں؛ البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی خاص مخلوقات اور انکے نام اسی طرح کے استعمال کرتے ہیں جیسے دنیا میں ہم نام استعمال کرتے ہیں تاکہ انسان کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے؛ اور نام کی موفقت ذات کی موافقت کو لازم نہیں آتی۔

۳: معاصی و گناہوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہوتا؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے؛ ان کے ظاہر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی محبت شامل نہیں ہوتی البتہ اسی کے فیصلے اور قضاء سے عمل میں آتی ہے؛ اس کے واقع ہونے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی ضرورت نہیں البتہ اس کی تقدیر اور تخلیق سے وہ کام واقع ہوتے ہیں؛ اور ان کے صادر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہیں ملتی، البتہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ، اس کی حکمت، اس کے علم کے مطابق انکا عملی ظہور ہوتا ہے؛ اور اس قسم کے عمل کرنے میں اللہ کی ناپسندیدگی شامل ہوتی ہے اس کی معاونت حاصل نہیں ہوتی؛ اور تمام اعمال لوح محفوظ میں لکھ دئے جانے کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں؛ اور انکا قابل مواخذہ ہونے کی وجہ فاعل یعنی انسان سے صادر ہونا ہے؛

﴿چوتھی خصلت﴾

اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوی

ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں؛ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی ہونے کی نہ تو کوئی حاجت ہے اور نہ ضرورت؛ اور نہ ہی ان کے عرش پر مستوی ہونے کی کوئی کیفیت اور طریقہ ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر قرار پکڑنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو عرش اور غیر عرش ہر چیز کا محافظ ہے

نوٹ: عرش بھی اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے؛ جس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک اور مخلوق کرسی رکھی ہوئی ہے؛ اور عرش اللہ

تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ نے پانی کے بعد بنائی ہے؛ اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وکان عرشہ علی الماء یعنی اللہ کا عرش پانی پر تھا؛ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے پانی کی تخلیق ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عرش معرض وجود میں لایا گیا؛ اور اللہ نے اسکے بعد لوح و قلم بنائے اور ان کو حکم دیا اکتب ما ہو کائن یعنی ہمیشہ کے لئے جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دو؛ اس کے بعد آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے بنائے گئے ہیں؛ اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ:

كتب الله خلق مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والارض بخميس الف سنة وکان عرشہ علی الماء

[اخرجه مسلم: ٤٧٩٧؛ الترمذی: ٢٠٨٢؛ احمد: ٦٢٩١]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں آسمان وزمین کے بنائے جانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں؛ اور یہ وہ وقت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا؛ اس سے یہ بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ عرش بھی اللہ کی دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے اور وہ بھی حادث (temporary) ہے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات کی طرح دائمی (forever) اور قدیم (eternal) نہیں ہے؛

اسی طرح اللہ کی صفات میں سے ہے (ہورب العرش المجید) یعنی اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا بھی رب ہے اور عرش اس کا پروردہ اور پیدا کردہ ہے؛ اور اس عرش کے پائے بھی ہیں جسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فإنا إذا بموسى أخذ بقائمة من قوائم العرش [اخرجه البخاری: ٣١٤٦] یعنی میں موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عرش کے پائیوں میں سے ایک پایہ پکڑ کر کھڑا ہوں گا؛ اور عرش چار جہتوں کے لحاظ سے محدود ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے حافین من حول العرش یعنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے گرد اس کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں؛ اور کئی پروں والے فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ تمام آیات قرآنی بتاتی ہیں کہ عرش محدود (limited) اور مخلوق ہے؛ اس کے کئی اجزاء ہیں؛ لہذا وہ حادث اور عارضی ہے دائمی نہیں؛ اور اللہ کا فرمان ہے: کل شیء ہالک الا وجہ؛ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کء علاوہ تمام اشیاء ہلاک ہونے والی ہیں؛ اور عرش بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء میں سے ایک شیء ہے لہذا وہ بھی فانی ہے؛

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے کے معانی کو دیکھتے ہوئے کسی شک میں مبتلا نہ ہونا چاہئے؛ جیسا کہ امام مالک سے استوی علی العرش کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپؐ نے جواب دیا لا استواء معلوم؛ والکیف مجهول؛ والایمان بہ واجب؛ والسؤال عنہ بدعة یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا مفہوم کے لحاظ سے معلوم ہے، اور اس کی کیفیت نامعلوم ہے؛ اس پر ایمان لانا واجب ہے؛ کیونکہ ان پر ایمان لانا جزو ایمان ہے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے؛ اور اس کے بارہ میں غور و غوض کرنا بدعت ہے؛ اور اس باب میں یہ کلام کافی اور وافی ہے اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو اور جانتا ہے کہ اس نے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال اور ایمان کے مطابق بدلہ پانا ہے؛

اللہ بیٹھنے اور آرام کرنے کے محتاج نہیں ہیں

اگر اللہ تعالیٰ بیٹھنے اور آرام کرنے کے محتاج ہوتے تو جہان اور دنیا بنانے پر کبھی قادر نہ ہوتے؛ اور اس کی تدبیر کرنا؛ اور تمام مخلوقات کی طرح اس عالم کی دیکھ بھال کرنا ممکن نہ ہوتا؛ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ بیٹھنے یا آرام کرنے کے محتاج ہیں تو سوال پیدا ہوگا کہ عرش کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ کہاں آرام فرماتھے؟ لہذا اس کے بارے میں یہی عقیدہ رکھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کیفیات اور اقوال سے پاک ہیں جن سے ذات باری تعالیٰ مین عاجزی اور نقص لازم آئے اور ہم یوں کہیں گے کہ: اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت اور ضرورت نہیں کہ آرام کریں یا بیٹھیں۔

مشق سوالات

- ۱:- ان خصلتوں کے کیا فوائد ہیں؟ کم از کم تین فوائد لکھیں
- ۲:- ایمان لانے کے کتنے رکن ہیں اور کون کون سے؟
- ۳:- کیا ایمان کم زیادہ ہوتا ہے یا نہیں، تفصیلی بحث کریں؟
- ۴:- ایمان و عمل کا آپس میں کیا تعلق ہے؟
- ۵:- اعمال کی کتنی اقسام ہیں اور ان کے مراتب کیا ہیں؟

۶: اللہ تعالیٰ کی رضا، حکم اور توفیق سے کونسا عمل ظاہر ہوتا ہے

۷: عرش کی حقیقت کیا ہے؟ تفصیلی بحث کریں؟

۸: کیا اللہ تعالیٰ عرش کے محتاج ہیں؟

☆☆☆☆☆☆

﴿پانچویں خصلت﴾

قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اسی کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے؛ اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے نہ کہ ذاتِ خدا لیکن ذات سے غیر بھی نہیں ہے؛ بلکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باقی صفات کی طرح یہ بھی ایک صفت ہے جس کا ظہور قرآن کریم کے معرض وجود میں آنے کا باعث ہے۔

قرآن کریم اللہ کی کتاب ہونے کی حقیقت

قرآن کریم ایک کتاب ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے؛ زبان کے ساتھ پڑھا جانے والا؛ سینوں میں محفوظ ہو جانے والا؛ اور اس میں کچھ حائل نہیں ہوتا؛ تمام حروف، حرکات، سیاہی، کاغذ، اور کتابت اور اشیاء کی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے مخلوق ہیں؛ کیونکہ یہ اشیاء اپنے وجود میں آنے کے لئے بندوں کے فعل کی محتاج ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں کیونکہ وہ اپنے وجود میں آنے کے لئے کتاب، حروف، کلمات اور عبارات کا محتاج نہیں؛ یہ تمام آلہ قرآن ہیں اور اس کی تشکیل بندوں کی ضرورت کے پیش نظر ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ضرورت کی وجہ سے یعنی اگر یہ نہ ہوں تو بندے اللہ تعالیٰ کی اصل مراد تک نہ پہنچ سکیں۔

کلام اللہ کی حقیقت اور اس کا مفہوم

اور اللہ تعالیٰ کا کلام بذاتِ خود قائم ہے؛ اور اپنے قائم ہونے میں اس کے علاوہ کسی کا محتاج نہیں؛ اور اس کا مطلب اور مفہوم انہی آلات، کلمات، حروف اور حرکات سے واضح کیا جاسکتا ہے؛ اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ معبود ہے اور اپنی ہر صفت میں جس طرح ہے ہمیشہ سے اسی طرح ہے؛ اللہ تعالیٰ کو ان صفات کے بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس کا کلام پڑھا، لکھا، اور محفوظ کیا جاتا ہے؛ اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تعلیم کے عمل میں اس لئے زائل ہو جائے کہ اس کے لئے مناسب الفاظ، صحیح ادائیگی، اور درست تحریر، پورے کلمات، کامل حروف نہ مل سکتے ہوں۔

﴿چھٹی خصلت﴾

امت میں افضل ترین شخص؟

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں افضل ترین شخص حضرت سیدنا ابوبکر الصديق اسکے بعد حضرت عمر الفاروق اسکے بعد حضرت عثمان ذوالنورین اسکے حضرت علی المرتضیٰ ہیں؛ اور دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ**؛ اور سبقت لے جانے والے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سب سے آگے ہیں؛ اور نعمتوں والی جنت میں انکا ٹھکانہ ہوگا؛ اس اللہ تعالیٰ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ: ایمان لانے میں جو زیادہ مقدم ہے وہی افضلیت میں بھی زیادہ افضل اور مقدم ہے؛ اور ہر مومن، متقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہے؛ جبکہ ہر منافق، بدقسمت ان سے بغض رکھتا ہے۔

﴿ساتویں خصلت﴾

انسان اپنے تمام اوصاف سمیت مخلوق ہے

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: بندہ اپنے تمام اعمال، ایمان کے اقرار، اور معرفتِ الہیہ سمیت اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے مخلوق ہے؛ کیونکہ جب اعمال کا عامل جو انسان ہے وہ مخلوق ہے تو اس سے صادر ہونے والے اعمال بطریقِ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے خالق و رازق ہیں

پھر ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے خالق، اور رازق ہیں؛ جبکہ بندوں کے پاس اپنی ذاتی کوئی طاقت نہیں ہے کہ: وہ اپنے آپ کو بنا سکیں یا اپنے رزق کا از خود انتظام کر سکیں؛ ان کے ضعیف، عاجز، محدث (temporary) ہونے کی وجہ سے اللہ ہی ان کا خالق اور رازق ہے؛ اور دلیل اس بات کی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے واللہ خلقکم ثم رزاقکم ثم یمیتکم ثم یحییٰکم اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو تمہیں پیدا کرتی ہے پھر تمہیں رزق دیتی ہے پھر تمہیں زندگی دیگی اور موت دے گی۔

حلال اور حرام کمائی اور اس کا حکم

اور حلال ذرائع سے حلال کمائی حلال ہے؛ اور حرام ذرائع سے مال جمع کرنا حرام ہے؛

نوٹ: البتہ اگر حرام مال کھالیا جائے یا استعمال کر لیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: اسکا استعمال بوجہ اضطرار یا مجبوری کے ہو تو جس حد تک مجبوری ہے اس حد تک گناہ نہ ہوگا؛ اور مجبوری ختم ہو جانے پر بھی اس استعمال میں لانا گناہ ہے البتہ اس کے استعمال سے صادر شدہ فعل شرعی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے کافی ہوگا؛ مثلاً حرام روزی کھانے کے بعد اگر کوئی شخص نماز ادا کرے تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی؛ لیکن حرام مال جمع کیا جائے اور اسکا مالک بھی معلوم ہو تو اس کا لوٹانا لازم ہے؛ اسی طرح اگر چور کے پاس چوری شدہ مال مل گیا تو اس کے اصل مالک کو لوٹا دیا جائے گا؛ بشرطیکہ اس چور پر حد جاری نہ کر دی گئی ہو؛ انسانوں کے ایمان کے لحاظ سے اقسام!

انسان اپنے ایمان کے لحاظ سے تین اقسام پر مشتمل ہے

۱۔ مؤمن جو اپنے ایمان میں مخلص ہو اور دل سے اللہ تعالیٰ کے دین کا مطیع اور فرمانبردار ہو؛

۲۔ کافر جو کفر پر قائم ہونے کے ساتھ اس کی اشاعت میں جدوجہد کرنے والا ہو؛

۳۔ منافق جو اپنے نفاق میں اعلانیہ اقرار کرنے والا ہو اور اس میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرتا؛

اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن پر ایمان لا چکنے کے بعد عمل لازم کیا ہے؛ اور کافر پر ایمان لانا لازم کیا ہے؛ اور منافق پر اخلاص لازم کیا ہے؛ اور دلیل اس بات کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا ایہا الناس اعبدوا ربکم یعنی اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ تو مطلب اس کا یوں ہوگا کہ: اے لوگو اگر تم مؤمن بن چکے ہو تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو؛ اور اگر عالم کفر میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ اور اگر منافقت کی بے آب و گیاہ وادی میں سرگرداں ہو تو اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص پیدا کرو؛ اسی پر تمہاری دائمی کامیابی کا مکمل انحصار ہے؛

مشق سوالات

۱۔ قرآن کس لحاظ سے قدیم اور کس لحاظ سے حادث ہے؟

۲۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت کیا ہے؟

۳:- انبیاء کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ اور اس کی ترتیب کیا ہے؟

۴:- بندے کے افعال ایمان و عمل سمیت قدیم ہیں یا حادث؟

۵:- بندے کی حرام ذرائع سے کمائی کا کیا حکم ہے؟

۶:- ایمان کے لحاظ سے بندوں کی کتنی اقسام ہیں؟

﴿ ۲ ٹھویں خصلت ﴾

انسان کے عمل کرنے کی طاقت عمل سے پہلے ہے یا بعد میں؟

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: عمل کے صادر کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدور فعل کے ساتھ ہی ملتی ہے نہ کہ فعل کے صادر ہونے سے پہلے یا فعل کے صادر ہو جانے کے بعد؛ کیونکہ اگر یہ استطاعت صدور فعل سے پہلے ہو تو بندہ اپنی تمام افعال سرانجام دہی میں اللہ تعالیٰ سے مستغنی اور کار خود مختار بن جائیگا؛ اور یہ عقیدہ رکھنا شریعت کے خلاف ہے؛ کیونکہ ارشاد باری ہے واللہ الغنی و انتم الفقراء؛ یعنی اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اے اللہ کے بندو تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے فقیر اور محتاج ہو؛ اسی لئے قطعہ ہے کہ

تو غنی ہے کل جہاں سے میں فقیر آ گیا در پر ترے بندہ حقیر
گر کیا نہ تو نے اعلانِ عفو تو رہے گا خوفِ مجھ کو دار و گیر
اور کسی نے اسکو یوں کہا ہے

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو مے بنی حسابم ناگزیر از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اور اگر یہ کہا جائے کہ فعل کے سرانجام دینے کے بعد اس کی استطاعت اور استعداد ملتی ہے تو یہ امر محال (impossible) ہے؛ مطلب اسکا یہ ہے کہ ہم ناممکن بات کو ممکن کہہ رہے ہیں؛ کیونکہ کسی فعل یا امر کا سرانجام دیا جانا یا عمل میں لانا طاقت و استطاعت کے ذریعے ممکن ہے؛ اور جب مخلوق میں کسی کے پاس بذاتِ خود کوئی طاقت نہیں؛ تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوشش کے ساتھ توفیق اور استطاعت حاصل نہ ہو جائے تو وہ کام عمل کی حدود میں داخل کیسے ہو سکتا ہے۔

﴿ نویں خصلت ﴾

موزوں پر مسح کرنا

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: موزوں پر مسح کرنا مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات یعنی ۲۴ گھنٹے کے لئے جائز ہے؛ اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں (۷۲ بہتر) گھنٹے تک جائز ہے کیونکہ احادیث میں اسی طرح وارد ہوا ہے؛ اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے اس پر کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ مسح کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے؛

نوٹ: موزوں پر مسح کرنے کے لئے سات شرائط ہیں؛

۱۔ پاؤں دھونے اور طہارتِ کاملہ کے بعد پہنا گیا ہو یعنی ایسے وقت پہنا گیا ہو جب اس پر غسل لازم نہ ہو؛

۲۔ موزوں نے پاؤں کو ٹخنوں تک چھپا لیا ہو؛

۳۔ مستقل طور پر انکو پہن کر چلنا ممکن ہو؛

۴۔ پاؤں کی چھوٹی تین انگلی کے برابر یا اس سے زیادہ نہ پھٹا ہوا ہو ۵۔ موزہ باندھے یا پکڑے بغیر پاؤں پر جمار ہے؛

۶۔ پانی کو جسم تک پہنچنے سے مانع ہو: کیونکہ اس کے باریک ہونے کی وجہ سے یا پھٹ جانے کی وجہ سے جسم تک پانی پہنچ گیا تو مسح باطل ہو جائے گا؛ ۷۔ پاؤں کا اگلا حصہ کم از کم تین انگلی کی مقدار پاؤں کے ساتھ موجود ہو؛ اگر ایڑھی موجود ہو مگر پاؤں کا پچھلے موجود نہ ہو تو مسح جائز نہ ہوگا؛ ضروری تنبیہ: آجکل امریکہ اور یورپ میں بسنے والے مسلمان خصوصاً اور دیارِ مشرق میں عموماً اپنی پہنی ہوئی عام جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں جو وہ جوتوں کے ساتھ رواجاً پہنتے ہیں؛ اس بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ اتنی موٹی نہیں کہ پانی کو جسم تک پہنچنے سے روک سکے یا مذکورہ شرطیں پوری نہ کرتی ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں گا؛ اور بلا وجہ ضد اور عناد کی وجہ سے اپنی نمازیں ضائع کرنا عقل مندی نہیں ہے؛ احادیث مبارکہ میں جو حوربین کے الفاظ ہیں وہ اردو زبان میں بولے جانے والے لفظ جراب کے معنوں میں نہیں ہیں؛ اور جب کوئی ایسا لفظ حدیث میں استعمال ہو جو کسی اور زبان میں بھی استعمال ہوتا ہو تو کسی ایسے عالم سے جو زمانہ نبوی کی عربی زبان اور اس زمانے کی اصطلاحات جانتا ہو معلوم کر لیا جائے؛ ورنہ اصطلاحات سفر (travel) کرتی ہیں کبھی ایک لفظ کسی زبان میں ایک چیز کا نام ہوتا ہے تو دوسرے وقت میں وہ دوسرے کام کا نام بن جاتا ہے؛ اس لئے لفظی اشتراک سے حکم مشترک نہیں نکالا جاسکتا؛ لہذا جس چیز پر حکم لگایا گیا ہو پہلے دیکھا جائے کہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس عمل کا کیا حکم ہے یہ معلوم ہو چکنے کے بعد عمل کیا جائے؛ اور یہی فطری طریقہ ہے بلا وجہ کے ضد اور عناد میں مبتلا رہنا کہیں کی عقل مندی نہیں ہے۔

قصر نماز، روزہ کے افطار کا حکم

اور نماز میں قصر اور سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے میں رخصت قرآن کریم میں ثابت ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ یعنی جب تم زمین پر چلو اور سفر کرو تو دوران سفر لازم ہونے والی نمازیں قصر کر لیا کرو؛

نوٹ: یہ صرف قصر کا حکم چار رکعتوں والی نماز کے لئے ہے؛ اور نوافل، سنتوں وغیرہ میں تین اختلافی رائے ہیں

۱: رخصت جانتے ہوئے سنتوں کو چھوڑ دیا جائے یا اللہ تعالیٰ کا قرب جانتے ہوئے سنتوں کو ادا کر لیا جائے؛

۲: دوران سفر سنتیں چھوڑ دیں اور منزل پر پہنچ جانے پر ادا کرنا شروع کر دیں

۳: صحیح رائے یہ ہے کہ: دوران سفر اگر کسی قسم کا خوف ہو تو سنتیں چھوڑ دینا اولیٰ، اور اگر اطمینانی کیفیت ہو تو سنتوں کو ادا کرنا اولیٰ اور قابل ترجیح ہے؛ خواہ یہ سفر کسی ثواب کے کام کے لئے کیا جائے یا گناہ کے لئے کیا جا رہا ہو۔

مسافر کی حد مسافت، اور مدت: اگر کوئی شخص اپنے اصل مقام سے اڑتالیس میل یا اس کے مساوی مسافت کے لئے سفر کا ارادہ لیکر نکلے تو اپنے شہر کی حدود سے نکل جانے کے بعد مسافر کہلائے گا؛ اور ایئر پورٹ (airport) پر نماز قصر نماز پڑھی جائے گی کیونکہ عموماً یہ شہر سے باہر ہوتے ہیں اور ان کا حکم شہروں میں نہ ہونے کا ہے اور اس بارے میں یہی تعامل ہے؛ اور پندرہ دن یا اس سے کم تک مسافر ہی رہے گا؛ اور اگر کسی جگہ قیام کا ارادہ کر لیا تو نماز مکمل پڑھے گا؛ اسی طرح اگر امام مقیم کے اقتداء میں نماز پڑھے تو بھی پوری پڑھے گا؛ اور روزے کے افطار کے بارہ میں بھی اگر سفر کی مسافت اور اتنی ہی مدت کا ارادہ ہو تو مسافر کے حکم میں ہوگا ورنہ نہیں؛ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے فمن كان منكم مریضاً او علی سفر فعدة من ایام اخر یعنی اگر کوئی شخص مریض ہو؛ یا سفر پر ہو تو رمضان کے روزوں کی قضاء ایام رمضان کے علاوہ دوسرے ایام سے گنتی پوری کرے۔

دسویں خصلت:- اللہ تعالیٰ نے قلم سے صحیفہ تقدیر لکھوایا ہے

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے قلم کو ہر چیز کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا اور کہا اے قلم لکھ؛ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو کچھ بھی قیامت تک ہونے والا ہے اس کو لکھ دے؛ اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے وکلّ شئ فعلوہ فی الزبر؛ اور ہر عمل جو انسان کرتے ہیں وہ نامہ اعمال میں محفوظ کر دیا جاتا ہے؛ اور ہر چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی وہ لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہے؛

گیارہویں خصلت :- عذابِ قبر کے بارہ میں

ہم اقرار کرتے ہیں کہ: عذابِ قبر ہر عذاب کے مستحق شخص کو ہوگا؛ اور منکر نکیر کے سوال و جواب جو قبر میں پوچھے جائیں گے من ربك؟ من نبیک؟ من دینك؟ یہ حق ہیں؛ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پاس معاملہ ہوگا؛ کیونکہ ان باتوں کا احادیث میں اس کثرت سے ذکر کیا گیا ہے کہ گویا متواتر احادیث کے حکم میں ہے۔

جنت اور دوزخ

اور جنت اور جہنم حق ہیں؛ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں کہ انسان کی طرح ان پر فناء نہیں ہے؛ جنت اور اہل جنت کے بارہ میں ارشادِ بانی ہے اُعدت للمتقين یعنی یہ جنت متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے؛ اور جہنم، اور اہل جہنم کے بارہ میں ارشادِ باری ہے اُعدت للكافرين یعنی جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے؛ اور جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے جزاء یا سزا کے لئے بنایا ہے؛

نوٹ: اس دنیا میں انسان ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا ہے؛ اور یہاں کی ہر چیز فانی ہے مگر جنت یا دوزخ میں چونکہ اجر و جزاء ملنے کا آخری اور حتمی مرحلہ ہے لہذا انسان کے ساتھ ہی اس کا وجود بھی ہوگا دونوں پر فناء نہیں ہوگی؛

میزان، اعمال نامہ، اور انکا تول

اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ: میزان حق ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَنُزِعَ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ساتھ اعمال کو تولیں گے؛ اور اسی طرح اعمال کا وزن اس دن کیا جانا حق ہے؛

نوٹ: فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یعنی جن کے نامہ اعمال میں عملوں کا وزن زیادہ ہوگا وہ کامیاب ہو جائے گا؛ اور جن کے اعمال کا وزن تھوڑا ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں ہوتے ہوئے اپنے ساتھ زیادتی کی، اس وجہ سے کہ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی اجانے کے باوجود یہ لوگ اپنے ساتھ ظلم اور زیادتی کیا کرتے تھے

قیامت کے دن اعمال نامہ پڑھا جانا

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: قیامت کے دن اعمال نامہ کا پڑھا جانا بھی حق ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا؛ اقرء كتابك کفا بنفسك الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا؛ یعنی اور ہم قیامت کے دن انکے اعمال نامے کو کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے پھیلا دیں گے؛ اور کہا جائے گا پڑھو اپنی کتاب؛ اور یہ اعمال نامہ تیرے محاسبہ کے لئے کافی ہے؛ دوسرے مقام پر ارشادِ بانی ہے: اَمَّا مَنْ اُوتِيَ كِتَابَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيَقُولُ هُوَ اَقْرَأُ كِتَابِهِ؛ یعنی جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا، وہ لوگوں کو خوشی سے یہ کہتا پھرے گا؛ یہ لومیری کتاب اس کو پڑھ کر دیکھو اس میں کیا لکھا ہے؛

بارہویں خصلت :- مردوں کو زندہ کرنا؛ اور میدانِ حشر میں جمع کیا جانا؛

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد ان تمام جانوں کو زندہ کرے گا اور سب کو ایک ایسے دن میں اکٹھا کرے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے؛ اور اس دن تمام انسانوں کو جزاء اور بدلہ دینے کیلئے اکٹھا کیا جائے گا؛ اور ہر ایک شخص کے حقوق پورے پورے ادا کئے جائیں گے اور: يَوْمَ لَا تَظْلُمُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا یعنی اس دن کسی جان کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی نہیں کی جائے گی؛ اور دوبارہ زندہ کیا جانا اس بنا پر ہے کہ ارشادِ بانی ہے وَانِ اللّٰهُ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ یعنی اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا؛

اللہ تعالیٰ کی ملاقات، اسکی کیفیت، رسول اللہ کی شفاعت

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جنتی لوگوں کے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہونا حق ہے؛ مگر یہ ملاقات بلا کیفیت اور بلا تشبیہ ہوگی اور نہ ہی کوئی جگہ متعین ہوگی جس طرف سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا جائے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کی ملاقات دنیا میں بعض انبیاء کو ان آنکھوں سے بھی ہوئی اور ایسی روایت دنیاء میں انبیاء کے لئے حق ہے؛ جیسے رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا؛ یہ روایت غیر انبیاء کو نہیں حاصل؛ البتہ خواب میں غیر انبیاء کے لئے بھی حق ہے؛ جیسے امام اعظمؒ نے ایک سو سے زیادہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا؛ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا؛ اسی طرح اولیاء کرام کا مکاشفات میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا، جو اصل میں خواب ہی کے ہم معنی ہوتے ہیں؛ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اولیاء کرام کی کتب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے جتنے واقعات ملتے ہیں یہ سب عالم مکاشفہ یا عالم رؤیا کے واقعات ہوتے ہیں اور ان کا حکم خواب سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔

البتہ اہل التشیع کا عقیدہ ہے کہ: ان کے امام کا الہام اور کشف بمنزلہ وحی ہوتا ہے؛ اور اسی لئے ان کے نزدیک امام اپنے الہام سے بعض اوقات قرآنی آیات کو منسوخ کر دیتے ہیں؛ جبکہ اہل السنۃ والجماعت کے ہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے؛ اور بعض اصحاب کو دیکھا کہ وہ مکاشفات پر بنیاد رکھ کر آئمہ تصوف کی تغلیط اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں؛ اس سے پرہیز لازم ہے؛ معلوم نہیں کہ انسان مخالفت کرنے حد سے تجاوز کر جائے یا وہ شخص واقعی اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہو؛ اور کسی ولی اللہ کی مخالفت یا اس سے ضد و عناد اللہ تعالیٰ کو محاربہ یا اپنے خلاف جنگ کی دعوت دینا ہے اور اس سے ایمان سلب کر لئے جانے کا اندیشہ ہے؛ اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ان باتوں سے بچنا لازم ہے؛

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی دلیل یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وجوه يومئذ ناظرة الى ربها ناظرة؛ یعنی قیامت کے دن اکثر چہرے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہوں گے اور ان کا دیکھنا اپنے رب کو ہوگا؛ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا شبہ دور کر دیا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کسی اور روپ (shape) میں ہوگی؛

شفاعت رسول ﷺ

اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت قیامت کے دن حق ہے؛ اور یہ شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اہل جنت میں سے ہوگا؛ اگرچہ وہ شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہو جیسے کہ امامؒ نے متن فقہ اکبر ۷۷ میں ارشاد فرمایا۔

عورت میں افضل ترین عورت

اور سارے جہاں کی عورتوں میں افضل ترین عورت عائشہؓ الصدیقہ ہیں مگر ان کی افضلیت حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بعد ہے؛ اور وہ دونوں ام المؤمنین ہیں؛ اور جو ان پر زنا کا الزام لگایا گیا اس سے پاک ہیں؛ اور رافضیوں کے تمام الزامات جو وہ ام المؤمنین کے بارے میں زبان زنی کرتے ہیں ان سے پاک اور بری ہیں؛ اور جو شخص ان پر زنا کا الزام لگاتا ہے وہ مومنوں کی ماں پر زنا کا الزام لگانے کی وجہ سے خود ولد الزنا ہے؛ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی صورتحال سے محفوظ فرمائے

آخرت کا بدلہ دائمی ہوگا نہ کہ وقتی

اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ: اہل جنت، جنت میں دائمی طور پر رہیں گے اور اہل جہنم، جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ: اولئك اصحاب الجنة هم فيها خالدون؛ یعنی یہی لوگ اہل جنت ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے؛ اور کافروں کے بارہ میں ارشاد ہوا: اولئك اصحاب النار هم فيها خالدون؛ یعنی یہی لوگ جہنم والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۔ استطاعت فعل اور توفیق فعل میں کیا فرق ہے؟

۲۔ موزوں پر مسح کی شرائط کیا ہیں؟

۳۔ عرش اور قلم کیا ہیں؟

۴۔ اعمال نامہ اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟

۵۔ دوبارہ کیوں زندہ کیا جائے گا؟

۶۔ آخرت کا بدلہ دائمی ہے یا وقت؟

۷۔ عورتوں میں افضل ترین عورت کے احوال تحریر فرمائیں؟

۱: کلمات مترجم

۲: المقدمة فی ذکر اہمّیۃ الخصال

۳: الخصلة : ۱۔ الایمان اقرار و تصدیق

۴: فصل فی زیادة الایمان ونقصانه

۵: فصل الشک فی ایمان المؤمن والعاصی

۶: الخصلة ۲: الایمان غیر العملی

۷: يجوز ترك العمل لا الایمان

۸: الخصلة ۳: تقدیر الخیر والشر

۹: فصل بان الاعمال ثلاثة اقسام

۱۰. الفریضة

۱۱. والفَضِیْلَةُ

۱۲. والمُعْصِیَةُ

۱۳: الخصلة ۴: الاستواء علی العرش

۱۴: التمرینات

۱۵: الخصلة ۵: القرآن کلام اللہ غیر مخلوق

۱۶: حقیقۃ کلام اللہ و کلام غیرہ

۱۷: حکم من قال کلام اللہ مخلوق؟

۱۸: الخصلة ۶: الافضل من الامة بعد الانبیاء

۱۹: القول فی الصحابة ومحبتهم

۲۰: الخصلة ۷: العبد مع اوصافه مخلوق

۲۱: فصل الکسب بالحلال والحرام

۲۲: اقسام الخلق ثلاثة

۲۳: الخصلة ۸: وقت الاستطاعة مع الفعل

۲۴: التمرینات

۲۵: الخصلة ۹: المسح علی الخفین

۲۶: قصر الصلاة؛ و افطار الصوم

۲۷: الخصلة ۱۰: التقدير مكتوب وما هو كائن

۲۸: الخصلة ۱۱: عذاب و ثواب القبر وما بعده

۲۹: فصل الجنة والنار وما هو اهله

۳۰: فصل المیزان و وزن الاعمال

۳۱: فصل قراءة الكتب يوم القيامة

۲۰	۳۲: الخصلة ۱۲: اِحْيَاءِ الاموات و حشرهم
۲۰	۳۳: لقاء الله و شفاعۃ الرسول ﷺ
۲۱	۳۴: افضل نساء المؤمنات فی العالم
۲۱	۳۵: مدۃ جزاء الآخرة و ثوابه
۲۲	۳۶: التمرينات
۲۳	۳۷: مقدمہ
۲۳	۳۸: وصیت نامہ کی اہمیت
۲۴	۳۹: پہلی خصلت: ایمان کی حقیقت اور اس کے ارکان
۲۴	۴۰: ایمان میں کمی اور زیادتی
۲۵	۴۱: ایمان میں شک کرنے اور معاصی کا حکم
۲۵	۴۲: دوسری خصلت: ایمان اور عمل کا تعلق
۲۶	۴۳: تیسری خصلت اچھی اور بری تقدیر کا حکم
۲۶	۴۴: اعمال کی تین قسمیں ہیں
۲۶	۴۵: فرائض
۲۷	۴۶: فضائل
۲۷	۴۷: قلم
۲۸	۴۸: لکھائی
۲۸	۴۹: لوح محفوظ
۲۹	۵۰: معاصی
۲۹	۵۱: چوتھی خصلت: اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی
۳۱	۵۲: اللہ بیٹھنے اور آرام کرنے کے محتاج نہیں ہیں
۳۲	۵۳: مشقی سوالات
۳۳	۵۴: پانچویں خصلت: قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا
۳۳	۵۵: قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کی حقیقت
۳۳	۵۶: کلام اللہ کی حقیقت اور اس کا مفہوم
۳۴	۵۷: چھٹی خصلت: امت میں افضل ترین شخص
۳۴	۵۸: ساتویں خصلت انسان مخلوق ہے
۳۵	۵۹: اللہ تمام مخلوقات کے خالق، رازق
۳۵	۶۰: حلال اور حرام کمائی اور اس کا حکم
۳۶	۶۱: ایمان کے لحاظ سے انسان کی اقسام
۳۷	۶۲: مشقی سوالات
۳۸	۶۳: آٹھویں خصلت: طاقت پہلے ہے یا فعل
۳۹	۶۴: نویں خصلت: موزوں پر مسخ کرنا
۳۹	۶۵: ضروری تنبیہ
۴۰	۶۶: قصر نماز، روزہ کے افطار کا حکم
۴۱	۶۷: مسافر کی حد مسافت، اور مدت
۴۱	۶۸: دسویں خصلت: اللہ تعالیٰ قلم سے صحیفہء تقدیر لکھوا لیا ہے
۴۲	۶۹: گیارھویں خصلت: عذابِ قبر کے بارہ میں
۴۲	۷۰: جنت اور دوزخ
۴۳	۷۱: میزان، اعمال نامہ، انکا تول

- ۷۲: قیامت کے دن اعمال نامہ پڑھا جانا ۴۳
 ۷۳: بارہویں خصلت مردوں کو زندہ، میدانِ حشر میں جمع کرنا ۴۴
 ۷۴: اللہ تعالیٰ کی ملاقات، اسکی کیفیت ۴۴
 ۷۵: شفاعت رسول ﷺ ۴۶
 ۷۶: عورتوں میں افضل ترین ۴۶
 ۷۷: آخرت کا بدلہ دائمی ہوگا نہ کہ وقتی ۴۶
 ۷۸: مشقی سوالات ۴۷

تصانیف مفتی رشید احمد العلوی

- ۱: الفقہ الا کبر تحقیق و ترجمہ عربی اردو
 ۲: الفقہ الابسط تحقیق و ترجمہ عربی اردو
 ۳: العالم والمتعلم تحقیق و ترجمہ عربی اردو
 ۴: کتاب الوصیۃ تحقیق و ترجمہ عربی اردو
 ۵: المتون المعبرہ تالیف عربی
 ۶: اصول تعلیم اسلامی شرح رسالہ دانشمندی
 ۷: قصائد حمدیہ شیخ جیلانیؒ عربی اردو
 ۸: منیہ المصلیٰ تحقیق و ترجمہ عربی اردو
 ۹: جامع المسانید تحقیق عربی اردو
 ۱۰: رسالہ ماتریدیہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ عربی اردو
 ۱۱: الفقہ الابسط تحقیق فارسی شرح از خواجہ گیسو دراز و عربی شرح ابو منصور ماتریدی و اردو ترجمہ
 ۱۲: امام اعظم اور علم کلام تصنیف اردو
 ۱۳: الانعام فی سیرۃ الامام تالیف عربی
 ۱۴: مجموعہ الفقہ الا کبر تحقیق عربی و مقدمہ
 ۱۵: سود کی متبادل اساس تصنیف اردو

نظم

دنیا میں اک نئی طرح کا لانا ہے نظام
چلنا ہے تو چلو ہمارے ساتھ قدم قدم
دنیا کو ہم امن بھی دیں گے پھر دیں گے آرام
امن بھی ایسا سائیہ اس کا ہوگا صبح و شام
دنیا میں یہ ظلم کا ہے جو چلتا ہوا نظام
اصل میں ہے یہ نام عدل پر دھبہ خوں آشام
دنیا کی ہے ریت پرانی چلے چلو تم ساتھ
چلے جدھر دنیا کی ہوا ہے وہی تمہارا کام
نامنظور ہے ریت پرانی مل کر بدلو اس کو
کہا ہمارے شاہ عظیم نے فک کل نظام
امیدوں کے تانے بانے بنتے ہیں ہم سب
مدد خدا نے کرنی ہے اور کرے گا آخر گام
امیدوں اور خوف کے بیچوں بیچ ہماری راہ
علوی ہے یہ راہ ہماری اور ہے یہ اسلام

تصانیف مفتی رشید احمد علوی

- ۱: الفقه الاکبر تحقیق و ترجمہ عربی اردو
- ۲: الفقه الاوسط تحقیق و ترجمہ عربی اردو
- ۳: العالم والمتعلم تحقیق و ترجمہ عربی اردو
- ۴: کتاب الوصیة تحقیق و ترجمہ عربی اردو
- ۵: المتون المعتمده تألیف عربی
- ۶: اصول تعلیم اسلامی شرح رسالہ دانشمندی
- ۷: قصائد حمدیہ شیخ جیلانیؒ عربی اردو
- ۸: منیہ المصلی تحقیق و ترجمہ عربی اردو
- ۹: جامع المسانید تحقیق عربی اردو
- ۱۰: رسالہ ماتریدیہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ عربی اردو
- ۱۱: الفقه الاوسط تحقیق فارسی شرح از خواجہ گیسو دراز و عربی شرح ابو منصور ماتریدی و ترجمہ اردو
- ۱۲: امام اعظم اور علم کلام تصنیف اردو
- ۱۳: الانعام فی سیرۃ الامام تألیف عربی
- ۱۴: مجموعہ الفقه الاکبر تحقیق عربی و مقدمہ
- ۱۵: سود کی متبادل اساس تصنیف اردو